

عمر ہمارے در کعبہ و بہت خانہ ہی نالہ حیات
 تازہ ہر دم عشق یک دانا شے راز آید ہر دوں

یادِ اقبال

ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی وفات پر
 ہندوستان کے مقتدر شعراء کا اظہارِ عقیدت مندی

مُرتب

چودھری غلام سرور فگار

(سابق ایڈیٹر سالہ پیغامِ حق لاہور)

اقبال ایک ٹی

۴۵ (الف سرکلر روڈ - بیرون موچی گیٹ لاہور)

موصول ڈاک سہ

قیمت: بیس جلد ۱۰۰

بار دوم

ایک ہزار

۱۹۳۳ء

مطبوعہ دین محمدی پریس سرکلر روڈ لاہور

شائع کردہ

سید محمد شاہ صاحب ایم۔ اے
از دفتر

اقبال اکیڈمی

۵۴ الف) سرکلر روڈ دیرپن پوچی، دلاڑیہ لاہور

تقریظ

ان

آرزیل سر عبدالقادر بیرسٹرایٹ لاسابق مبرانڈیا کونسل (لندن)

کلام اقبال کو جو عالمگیر مقبولیت — سر محمد اقبال کی زندگی میں ہوئی، اس کی مثال ادبیات کی تاریخ میں کمیاب ہے اور جس فراخ دلی کے ساتھ اُن کے ہم عصر شعراء نے ان کی دنیا کے بعد اُن کے کمال کا اعتراف کیا ہے، وہ بالکل بے مثل ہے۔ مجھے کوئی اور نظیر معلوم نہیں کہ اتنے شاعروں نے اپنے ہم عصر کے کلام کی داد ایسی بے ساختگی سے دی ہو جیسی اقبال کے عہد کے شعراء نے دی ہے۔ ان میں بعض ایسے ہیں جو ابتدا میں اقبال کی بڑھتی ہوئی شہرت پر رشک کرتے تھے مگر آخر زمان گئے کہ قسام ازل نے جو بھندی سر اقبال کو دی تھی وہ ہر ایک کے نصیب میں نہیں ہوتی۔ اقبال

کے ہم عمروں کو چھوڑ کر نوجوان شعرا تو اس حد تک مداح
ہیں کہ تقریباً سب ان کے زنگ سخن کے مقلد ہیں۔ انہوں
نے اقبال کے انتقال کو اس قدر محسوس کیا ہے۔ کہ ان
کے آسواں تک نہیں تھمتے۔ انہی ارادت مندوں میں
جناب غلام سرور نگار بھی ہیں۔ انہوں نے یاد اقبال
نامی ایک کتاب مرتب کی ہے۔ جس میں وہ چیدہ چیدہ
نظمیں جمع کی ہیں۔ جو اقبال کی وفات پر لکھی گئی ہیں۔
اُس کا حصہ اول شائع ہوا ہے۔ شروع میں کچھ درد بھری
غزلیں ہیں۔ جن میں نگار صاحب نے اپنے جذبات کا
اظہار کیا ہے۔ اور اُس کے بعد دیگر معاصرین کی نظمیں

ہیں * نگار صاحب ایک شاق اخبار نویس ہیں۔ کچھ عرصہ
آپ لکھنؤ کے اخبار ہندم کی ادارت میں حضرت جالب مرحوم
کے ساتھ شریک رہے۔ سیالکوٹ سے اُن کا ایک رسالہ
دستان کئی سال تک شائع ہوتا رہا۔ اور اب اس کی جگہ رسالہ
”پیغام حق“ نے لی ہے۔ جو لاہور سے نکلتا ہے۔ کلام اقبال
کی اشاعت اس رسالہ کا خاص مقصد ہے۔ اس لئے یاد اقبال

جیسی کتاب کی ترتیب کے لئے نگار صاحب خاص طور پر
موزوں ہیں ۶

نگار صاحب کی اپنی نظموں کے بعد دوسرے شعرا کے منتخب
مرثیے ہیں۔ سب سے پہلے جناب حسرت موہانی کی ایک نظم ہے
جس کا یہ مصرعہ ان کے احساس کی ترجمانی کے لئے کافی ہے۔
فرماتے ہیں

دل پہ ذوق شاعری اک بار ہے تیرے بغیر
حضرت حفیظ جالندھری نے اپنی مختصر سی نظم کو اس بلند شعر
پر ختم کیا ہے

اقبال بند تھا ہمارا

اب اور بلند ہو گیا ہے

جناب حفیظ ہوشیار پوری کے مرثیے کا ایک بند کا یہ آخری

شعر قابل ملاحظہ ہے۔

کدھر کو جائیں اہل کارواں "بانگ درا" گم ہو

درا کا ذکر کیا اس کارواں کا رہنما گم ہے

خواجہ دل محمد صاحب ایم اے پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور

نے کئی قطعات لکھے ہیں۔ جن میں یہ قطعہ خاص طور پر داد

کے قابل ہے

کون لائے گا اب پیام سروش، اے دل، اقبال ہو گیا خاموش
 شمع خاموش سال بھری ہے عیسوی، شمع شاعری خاموش
 جو مرانی اس مجموعہ میں انتخاب کئے گئے ہیں، سب اپنی
 اپنی جگہ قابل تعریف ہیں اور اس بے نظیر اثر کا ثبوت دیتے
 ہیں۔ جو اقبال اور کلام اقبال نے شعرائے وقت پر کیا۔ امید
 ہے کہ یاد اقبال کے پڑھنے والے اس انتخاب کو پسند کریں گے
 اور نگار صاحب کی تلاش اور محنت کی داد دیں گے۔



اقبال اُن کا نام اور کام

جناب محمد حسین سید بی اے (جامعی)

کچھ دن پیشتر ڈاکٹر اقبال ہم میں موجود تھے، اُن کی بلند پایہ ہستی ہمارے
 لیے مایہ صمدانہ تھی۔ ہم کو اُن کی صحبتوں اور مجلسوں کا لطف حاصل تھا۔
 اُن کی زیارت دل و دماغ کو روشنی اور رُوح کو فرحت و انبساط بخشتی تھی۔
 ہم اُن کے ارشادات اور فرمودات سے فیض یاب ہوتے تھے، انہیں
 تھی کہ یہ سلسلہ ابھی کچھ اور جاری رہے گا، اور یقین تھا کہ ہم ابھی دورِ حاضر
 کے اس بلند مرتبہ حکیم اور فلسفی، انسانیت کے سچے ہمدرد و مصلح اور دنیائے
 اسلام کے ایک مایہ ناز فرزند سے کچھ اور کربِ نصیحت کر سکیں گے۔
 لیکن افسوس، من در پدِ خیالم و فلک در چہ خیال ۲۱ اپریل ۱۳۵۷ کی شجہ رہے

ہماری تمام آرزوؤں اور تمناؤں کا خون کر دیا، اور ہمت کا وہ درختاں
نثارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا

آں قدرج بثلکت وآن ساقی نہ ماند

ساقی یقیناً نہیں رہا مگر قدرج ہنوز باقی ہے۔ یہ سچ ہے آج ہم
میں ڈاکٹر اقبال نہ رہے، ان کی صحبتیں اور مجلسیں نہ رہیں، مگر ان کا جیتا
بخش پیام ہم میں باقی ہے، جو ولولہ نازد انہوں نے ہمت کو بخشتا ہے وہ
سلامت ہے، اُن کی گرم لوائی اور آہ صحر گاہی ابھی فضا میں موجود ہے،
ان کی درویشانہ اور قلندرانہ زندگی ہمارے لئے مثال ہے۔ اگر ہم میں کچھ
احساس پیدا ہو گیا ہے، اگر اُن کی بانگس درانے ہم کو غفلت سے کچھ
چونکا یا ہے، اگر اُن کی نالائیم شبی نے ہمارے بحس قلوب پر کچھ اثر کیا ہے
اگر اُن کی ضرب یکیمی نے ہمارے دل کے بتوں کو توڑ ڈالا ہے، اگر اُن کے
بال ملکوتی کے ہمارے ہماری پست ذہنیتیں کچھ بند ہوئی ہیں تو پھر کوئی
وجہ نہیں کہ ہم ان کی وفات پر ماتم ہی کرتے رہیں۔ بلکہ ہمارے لئے
لازم ہے کہ ان کے زندگی بخش پیام کو سمجھیں اور سمجھائیں، اُن کا سا
فضل و کمال اور اُن کی سی نور بصیرت اپنے میں پیدا کریں، اُن کا سا
سوز و ساز، اُن کی تیب و تاب ہم آپس میں بانٹ لیں، اُن کے نالائیم شب
کا نیاز، ان کی خلوت و انجمن کا گداز ہم لے لیں، ان کی امنگیں اور

آرزوئیں، اُن کی اُمیدیں اور جستجوئیں ہم حاصل کریں، یہی کچھ اس نفیر کی
متاعِ تحقیق ہے جو ہمیں عطا کرنا چاہتا تھا۔

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ نفیر اسی سے نفیری میں ہوں میں اسیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے لٹا دے ہٹھکانے لگا دے اسے
دُنیا کو ڈاکٹرِ اقبال جیسی نادرِ سہتیاں صدیوں کے بعد میسر آتی ہیں
جب لوگ عام طور سے اقبال کے کلام کو سمجھنے لگیں گے تو ان کے حالات
کی پھان بین کی جائے گی، ان کی زندگی کی تفصیلات کی جستجو ہوگی، ایک
ایک لمحہ کے حرکات و سکنات درج کئے جائیں گے، جس کا شمار بھی
مشکل ہو جائے گا۔

اقبال سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، ان کے آباء کا اصلی وطن کشمیر
تھا، جہاں سے دو سو سال پہلے ان کے جدِ اجداد ہجرت کر کے سیالکوٹ
میں آسے تھے، اقبال کے دل کو کشمیر کی یاد اکثر گدگاتی تھی۔

کشمیر کا چمن جو مجھے دلپذیر ہے اس باغِ جانفز کا یہ ببل اسیر ہے
ورثہ میں ہم کو آئی اُم کی ہر جائداد جو ہے وطن ہمارا وہ جنتِ نظیر ہے
اقبال کے مورث کشمیری پنڈتوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق
رکھتے تھے جس کی ایک شاخ اب تک کشمیر میں موجود ہے۔ آپ کے
جدِ اعلیٰ ایک ولی کے ساتھ عقیدت ہو جانے کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے

میں اصل کا خاص ہونائی آبا مرے لاتی و منائی
مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر مئی بینی
برہمن زادہ رمز آشنائے روم و تبریز است

جس زمانہ میں اقبال پیدا ہوئے وہ مسلمانوں کے لئے کچھ عجیب
فلاکت و اہار کا زمانہ تھا، دنیائے اسلام نزع کی حالت میں تھی ہندوستانی
مسلمانوں کی جہت آزادی میں شکست کھانے کے بعد ہمت مار کر ہتھیار
ڈال چکے تھے مسلمانوں پر بغاوت کا الزام لگا کر ان کی بُری طرح سرکوبی کی
گئی تھی، اور بظاہر ان میں زندگی کے کوئی آثار باقی نہیں تھے۔ سرسیدؒ
اور ان کے رفقاء ان کو جھوٹا بکرا اٹھانے کی کوشش پیہم کر رہے تھے، مگر
ان میں کوئی حرکت نظر نہیں آتی تھی، دنیا نے اسلام کا بھی یہی حال تھا،
مسلمان حکمران یا غیر ملکوں کے ماتھے میں کٹھ پتلی تھے یا اپنی رعایا کے لئے
نہایت جابر و قاسر، خود عیش و عشرت میں سرشار اور رعایا جہالت و افلاس
میں سرمست، یورپ کے گدھ ان کو مُردار سمجھ کر ان پر ہر طرف سے ٹوٹ
پڑے تھے، اس حال میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم کرتے ہوئے ان
کی اصلاح و سدھار کے لئے دنیائے اسلام میں چند باکمال ہستیوں کو مامور
کیا۔ ترکی میں مصطفیٰ کمال، ایران میں رضا شاہ پہلوی، مصر میں زاعلون پاشا
ہندوستان میں محمد علی اور ابوالکلام وغیرہم پیدا کئے۔ ان میں کسی نے تو

موقعہ مناسب مل جانے کی وجہ سے اپنا کام پورا کر لیا کسی نے کام کو شروع کر دیا مگر مکمل نہ کر سکے، اور کچھ تکمیل کے لئے شب و روز کوشاں ہیں۔ اُمت کی یہ اصلاح و سدھار الگ الگ وطنی، قومی اور نسلی بنیادوں پر ہوئی۔ اب ضرورت ایک ایسے معمار کی تھی جو ان مختلف اینٹوں سے بڑی چٹھی مصطفوی بنیادوں پر ایک نئے جھار لت کی تعمیر کرے اس لئے اس نے اس کام کے لئے اقبال کو ہندوستان میں (۱۹۰۵ء) میں پیدا کیا۔

اقبال کے والد ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ ان میں مذہبیت اور دینداری بہت تھی۔ ان کے بڑے بھائی حکومت کے ایک ممتاز عہدہ دار تھے۔ اقبال کی تربیت کا سہرا ان ہی بزرگوں کے سر ہے۔ اقبال کی تعلیم کمزب سے شروع ہوئی، ذہن اور حافظہ خدا داد تھا، مڈل سے جو انبیاء انعام تھے اور وظیفے حاصل کرنا شروع کیا، تو ایم۔ اے تک کرتے ہی چلے گئے۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ اس طرح اپنی تعلیم کے بار سے اپنے والدین کو ہلکا رکھا۔ ایف۔ اے تک کی تعلیم سیالکوٹ میں ہوئی۔ وہاں ان کو ایک شفیق استاد شمس العلماء مولوی میر حسن مل گئے جو عربی فارسی میں عبور رکھتے تھے، اور ان کو یہ کمال حاصل تھا کہ اپنے شاگرد کو جو مضمون پڑھاتے اس کا اس میں صحیح مذاق پیدا کر دیتے۔ اقبال نے حتی الوسع خوب استفادہ

کیا۔ بی۔ اے کی تعلیم کے لئے لاہور آتا پڑا۔ گورنمنٹ کالج میں داخلہ ہوا۔ فلسفہ اختیار ہی مضمون پسند کیا۔ حسن اتفاق سے وہاں ایک فاضل مستشرق پروفیسر آرنلڈ سے ملاقات ہوئی۔ ان کو فلسفہ کا بڑا اچھا ذوق تھا۔ جو پندرہ بابندہ۔ اقبال نے ان سے بھی اچھی طرح کسب فیضیت کیا۔ آپس کے تعلقات ایسے بڑھے کہ شاگردی دوستی کی حد تک پہنچ گئی۔ جب آرنلڈ صاحب انگلستان تشریف لے گئے تو اقبال نے ”نالہ فراق“ کے عنوان سے آرنلڈ صاحب کی یاد میں ایک نہایت مؤثر نظم لکھی اور بالآخر ۱۹۰۵ء میں آرنلڈ صاحب کی کوشش نے اقبال کو انگلستان بھیج دیا۔

خوش قسمتی سے اقبال کو اپنے علمی منازل طے کرنے کے لئے بہت

اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علماء سے رابطہ پڑا، انگلستان پہنچنے پر کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ کرایا۔ وہاں ڈاکٹر میک ٹیکرٹ برائون، لیکسن اور سارمی جیسے فضلا سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اقبال نے ان کے تلمذ و ادب سے خوب گل چینی کی کیمبرج یونیورسٹی سے ہندیہ تحقیقات علمی فلسفہ اخلاق کی ڈگری لی۔ پھر جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے ایک کتاب فلسفہ ایران لکھنے پر مبنی۔ ایچ۔ ڈی کافرٹ کلاس ڈپلوما حاصل کیا، اس کتاب پر انگلستان کے مشہور پروجوں میں بڑے بڑے اہل الرائے کے تبصرے شائع ہوئے، اور کتاب یورپ میں مقبول ہوئی۔ جرمنی سے پھر لندن واپس آئے اور

وہاں اسکول آف پولیٹیکل سائنس میں داخل ہوئے، وہاں سے فراغت کے بعد بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ انگلستان کے دوران قیام میں اسلام پر چھ پبلک لیکچر دیئے جو بہت مقبول ہوئے، لندن یونیورسٹی میں پروفیسر آرنلڈ کے قانننام کی حیثیت سے چھ ماہ تک عربی کے پروفیسر بھی رہے، یہ شرف کسی ہندوستانی کو شاید ہی حاصل ہوا ہوگا ۛ

۱۹۰۵ء میں تین سال کی کامیاب کوششوں کے بعد اقبال وطن لوٹے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۲-۳۳ سال کی تھی۔ اس عمر میں اتنے علمی اعزازات اور ڈگریاں اللہ کی دین ہیں۔ اپنی مادری زبان کے علاوہ انگریزی، عربی، فارسی، سنسکرت اور یورپ کی کئی زبانوں میں ماہر ہونا کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ اس عمر میں شہرت اور مقبولیت کی اس بلندی پر پہنچ جانا کچھ کم قابل رشک نہیں ۛ

اقبال جب ولایت جا رہے تھے تو دہلی میں حضرت محبوب الہی کی درگاہ میں حاضر ہوئے اور ”القائے مسافر“ کے عنوان سے ایک دعائیہ قصیدہ بطور نذرانے کے ان کی جناب میں پیش کیا، جس کا ایک شعر اقبال کے میلان طبع اور فطرت سلیم کا پتہ دیتا ہے ۛ

تیری لمحہ کی زیارت ہوں زندگی ل کی مسیح و خضر سے ادنیٰ مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں لنگ جہول بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار تو ام

دگر کشادہ جبینم گل بہار تو ام

اقبال کے دل میں بزرگوں کی یہ ارادت اور عقیدت آخر عمر تک
باقی رہی۔ آگے چل کر اقبال اپنے سفر کی غرض و غایت بتاتے ہیں
اور ان کے توسط سے اللہ سے دعا مانگتے ہیں۔

چلی ہے بے کے وطن کے نگار خانے سے شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
فلک نشیں صفت مہربوں نما ہے تیری دعا سے عطا ہو وہ نردماں مجھ کو
مقام ہم سفری سے ہواں قد آگے کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان فکرم سے کسی کا دل نہ دکھے کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر تیری جناب سے ایسی بے فغاں مجھ کو
چھڑا رکھوں قسم باد رو پدر چہیں کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو
تنگفہ ہوئے گلی دل کی پھول ہو جائے

یہ البتہ مسافر قبول ہو جائے

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ اقبال کی یہ دعا جس طرح
حرف بہ حرف مقبول ہوئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ مسافر جب تین

سال کے بعد یورپ سے لوٹتا ہے تو پھر اسی عاجزی اور انکساری کے تحت
اس درویش کے آستانہ پر حاضر ہو کر اپنی محبت اور اپنی پرانی مفید تمندی
کا اظہار کرتا ہے، یورپ کی آب و ہوا، اس کی تہذیب و تمدن اور نئے
علوم ہندوستان سے جانے والے اکثر طالب علموں کی قلب مامیت کر
دیتے ہیں مگر یہ اقبال پر مطلق اثر انداز نہیں ہوتے۔

غدا ب دانش حاضرے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

اقبال دہلی سے گزر کر انبالہ رُکے اور اپنے دوستوں سے ملے، ہوئے
لاہور پہنچے۔ اسٹیشن پر اعزہ و احباب کا جمگٹا تھا، اسی دن شام کو ان کے
اعزاز میں ایک پارٹی دی گئی، دوسرے دن بیاکوٹ پہنچ کر اپنے ماں
باپ کے قدموں پر پیشانی رکھی ۛ

اقبال جب ایم اے پاس کر چکے تھے تو اورینٹل کالج لاہور میں
فلسفہ اور سیاست تدریس کے لکچرار مقرر ہوئے، پھر فورٹس کالج میں فلسفہ اور
انگریزی کے پروفیسر ہو گئے، اور اپنے فرائض کو بہت حسن و خوبی سے
انجام دیتے تھے، اکثر طالب علموں کو اپنے گھر پر پڑھایا کرتے علمی شاغل
ان کی زندگی کے لئے لازمی عنصر ہو گئے تھے۔ جب اقبال یورپ سے

واپس آئے تو کچھ دنوں بدستور گورنمنٹ کالج میں پروفیسر رہے، پھر اس کے بعد وکالت شروع کی، مگر وکالت کو اقبال کی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں حاصل ہے۔ وہ محض کسب معاش کا ایک ذریعہ تھی۔ جو کچھ اس سے ہاتھ آجاتا اس پر قناعت کرتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ جو کچھ کماتے جب تک وہ خرچ نہ ہو جاتا عدالت کا منہ نہ دیکھتے، اور جو وقت اس طرح بچتا وہ کتب بینی، غور و فکر، ملت کی حالت سدھارنے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے ذرائع سوچنے میں گزارتے، ان کی زندگی کی ساری کمائی ان کے کلام کے وہ چند ٹھوسے ہیں جو آج ملت کے لئے گراں بہا اور قابلِ فخر خزانہ ہے *

اقبال ذہنی طور پر فرقہ بندی سے بہت بلند تھے، ان کی ہمدردی آزاد اور ترقی پسند طبقہ کو حاصل تھی مگر وہ عملی سیاست میں قدم رکھنا نہیں جانتے تھے۔

یہ عقیدہ اُسے سیاست تجھ مبارک ہوں
کہ فیضِ عشق سے ناخن میرا ہے مینہ خراش
لیکن اُن کے دوستوں نے باصرار ۱۹۲۶ء میں کونسل کے انتخابات کے لئے امیدوار کھڑا کیا اور وہ کثرتِ رائے سے کامیاب

ہو گئے۔ کونسل میں تاحدا مکان مسلمانوں کی نمائندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ ان کا درد مند دل غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کی سود و بھہود کے لئے ہمیشہ بیتقرار رہا۔ اور کونسل کے مختلف اجلاسوں میں ان کے فائزے کی بہت سی تحریکیں پیش کیں۔ اور اس قسم کی تمام تحریکوں کی پُر زور تائیدیں کیں۔ ایک تحریک پیش کی کہ ملک کا ایک طبقہ اکثریتی پیشواؤں اور بزرگوں پر یکینے حملے کیا کرتا ہے، گورنر جنرل باجلاس کوششیں۔ سیرسٹارٹ کی جائے کہ اس قسم کی حرکتوں کے سبب باب کے لئے کوئی قانون نافذ کیا جائے، چنانچہ ایسا ایک قانون ۱۹۲۷ء میں منظور ہو کر نافذ ہو گیا۔ انوار کا اسلمہ ہند سے متعلقہ کرنے اور حکومت کو شراب نوشی کے، انسداد کی حکمت عملی اختیار کرنے کی تحریک بھی آپ نے پیش کی وغیرہ وغیرہ *۔

۱۹۲۷ء میں مدراس یونیورسٹی نے چند لکچر دینے کے لئے آپ کو مدعو کیا۔ آپ آخر دسمبر میں وہاں تشریف لے گئے۔ اس سلسلہ میں اونٹنی کئی مقامات میں سوز و گداز اور سرنگا پٹم کی سیر کی، مختلف افراد ادارے اور انجمنوں کی طرف سے آپ کو دعوتیں ہوئیں، اور بے شمار سپانساتے آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ آپ نے وہاں کی یونیورسٹیوں میں لکچر دیئے۔ اعلیٰ حضرت نظام دکن نے بھی سننے کی دعوت دی۔ آپ شاہی مہمان ہو کر حیدرآباد تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کی شاہانہ مہمان نوازی کی گئی

اس دوران حیدر آباد، بیسور اور مدراس کے اخباروں نے آپ کے فضل و کمال پر مقالات لکھے اور بعض نے اقبال نمبر شائع کیا *

۱۹۳۱ء میں حکومت ہند کی دعوت پر گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے انگلستان تشریف لے گئے۔ واپسی میں اسپین، فرانس، اٹلی اور فلسطین کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان لوٹے، اس سفر میں یورپ سے ہمارے لئے جو تحفے لائے وہ بہت ہی قابل قدر ہیں۔ بال جبریل کی اکثر نظمیں اسی سفر میں لکھی گئیں۔ اسپین کی سیاحت اور اسلامی عہد کے آثار جامعہ قرطبہ کھنڈرات و عمارات کا ان کے دل پر بہت اثر پڑا۔ جو نظمیں قرطبہ میں لکھی گئی ہیں بڑی دلچسپی اور بڑے غور کے ساتھ مطالعہ کی مستحق ہیں *

اسی سال آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے، اہل آباد میں اس کا سالانہ اجلاس ہوا جس میں انہوں نے ہندو مت کیوں کے آپس کے مناقشات دور کرنے کے لئے پاکستان کی سرحد الٹا را تجویز پیش کی جس سے آج کل بڑی دلچسپی لی جا رہی ہے *

۱۹۳۳ء میں شاہ افغانستان نے اپنے ملک کی تعلیمی اصلاحات کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے آپ کو کابل آنے کی دعوت دی۔ آپ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اور سر اس مسعود مرحوم کے ساتھ افغانستان تشریف لے گئے۔ اس سلسلہ میں ملک کے دوسرے جھٹوں کی سیر کی مختلف شاہ و گدا کے مزارات پر فاتحہ پڑھی۔ قندھار میں خرقہ مبارک کی زیارت کی، اس کے تاثرات کو آپ نے فارسی میں منظوم کیا ہے۔ مسافر کے نام سے یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

علمی سیاریات سے اقبال کی دلچسپی برسے نام تھی۔ مگر ادھر چند سال سے بالکل الگ ہو گئے تھے۔ دکالت بھی چھوڑ دی تھی اور گوشہ نشین ہو کر زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ اپنی تصانیف سے جو کچھ آمدنی ہوتی اُس پر گزارہ تھا۔ خرچ بہت تھا۔ کئی آدمیوں کی پرورش کے علاوہ ایک لڑکے جادید سئمہ کی تعلیم کے مصارف برداشت کرنے پڑتے تھے۔ کتابوں پر بھی ایک کثیر رقم صرف کرتے تھے۔

چند سال ہوئے اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال سے ان کے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، انہوں نے ازراہ قدردانی و علم پروری پانچ سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا تھا، جس سے ان کو ایک گونہ اطمینان

ہو گیا تھا۔ اس سے کچھ سال پیشتر ان کو اپنی تصانیف سے یکمشت تقریباً ۳۰،۲۵ ہزار کی رقم مل گئی تھی، جس سے انہوں نے اپنے چھوٹے بچے کے نام سے ایک مکان جاوید منزل میو روڈ پر بنوا لیا تھا۔ جن لوگوں نے آپ کا مکان دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ کہنے کے لئے تو کوٹھی ہے مگر اپنی سادگی اور بے سرو سامانی کے لئے اپنی مثال آپ ہے۔ اس کوٹھی کے ایک گوشہ میں چارپائی پر کبھی لیٹے، کبھی ٹکیوں کے بل بیٹھے دن بھر حقہ پیا کرتے تھے۔ چارپانچ سال سے ان کو بیماری نے اور بھی بالکل مجبور کر دیا تھا۔ گلے سے آواز بڑی تکلیف سے نکلتی تھی، بصارت کم ہو چکی تھی، موتیابند کا مرض تھا، اس کا آپریشن کرانا چاہتے تھے۔ مگروری فائونڈیشن کا یہ عالم تھا کہ بمشکل گھر سے بجل کر صحن میں آ کر بیٹھتے۔ نواب صاحب بھوپال نے ان کو علاج کی خاطر بھوپال بلا لیا تھا۔ کچھ دنوں وہاں رہے۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو پھر لاہور چلے آئے اور وہیں علاج جاری رہا۔ امید تھی کہ افاقہ ہو جائے گا۔ اس حالت میں بھی اس فدا سے ملت کے ارادے اور حوصلے قابل قدر اور لائق تائش ہیں۔ اس بیماری کے عالم ہی میں جب بھوپال میں علاج کر رہے تھے تو بہت سی نظمیں لکھیں جو ضربِ کلیم میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ نثر میں موجودہ حالات کے مطابق ایک فقہ اسلامی مرتب کرنے کا خیال تھا، اس کے لئے مشرق و مغرب سے مواد

اکٹھا کر رہے تھے، لیکن افسوس موت نے اس کا موقع نہ دیا، اور نہ ملت کو اسلامی اور سیاسی زندگی کا ایک ایسا دستور قریب کر کے دے جاتے جو ملت اسلامیہ کے موجودہ انتشار و بے چینی کے لئے عید کا کچھ مضید ثابت ہوتا اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے، آپ آکسفورڈ یونیورسٹی پر رٹورٹس لکچر کے سلسلہ میں بھی چند خطبات دینے والے تھے ۛ

کئی سال سے آپ زیارت بیت اللہ و حرم نبویؐ کا ارادہ رکھتے تھے پچھلے سال یوم اقبال کے موقع پر جب اتنا ذی مولانا اسلم صاحب لاہور تشریف لے گئے تو ڈاکٹر صاحب سے ملے تھے، ڈاکٹر صاحب نے اُن سے فرمایا کہ میں دو سال سے ارادہ جمع ہیں، بلکہ وہ اشعار بھی لکھ لئے تھے جو سفر سے متعلق ہیں اور ان میں سے کہیں کہیں سے نیا بھی، بلکہ سے مدینہ کو ڈائی کے وقت ایک منزل لکھی ہے جس میں اللہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ۛ
تو باش ایں جاو با خاصاں بیامین

کہ من دارم ہوائے منزل دوست
کہتے ہیں کہ یہ شعر سناتے ہی گریہ ایسا گلو گریہ ہو گیا کہ آواز بند ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ افسوس! ان کو بیت اللہ اور حرم نبویؐ کی زیارت کا موقع نہیں ملا۔ ورنہ حجاز سے ہمارے لئے کیا کچھ تحفہ لاتے جس کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ کعبہ کی زیارت

کے لئے مجاز جاتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں جن کی زیارت کے لئے کعبہ خود آتا ہے۔ سچ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو کیسے اپنے سفر سے متعلق پیشگی اشعار لکھ لیتے۔۔۔۔۔ ان اشعار کے مجموعہ کا نام ارضانِ حجاز ہے اقبال آخر عمر میں حبیبِ نبویؐ میں بالکل ڈوب گئے تھے جیسا کہ اوپر کے واقعہ سے ظاہر ہوا ہوگا وہ اپنے محبوب و گناہِ خداوندِ علیم و خیر سے کیسے پوشیدہ رکھ سکتے تھے پھر اس کی غفاری اور تارسی سے کچھ اطمینان بھی تھا۔ مگر وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ روزِ محشر ان کے گناہ کسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہو جائیں۔ چنانچہ ان ہی دنوں ایک نہایت پُر سوز و موثر رباعی ان کی زبان سے نکلتی ہے۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روزِ محشر غدرائے من پذیر
تو اگر بیستی حساب کم ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پہناں بگیر

اسی زمانہ میں وہ انگریزی زبان میں ”جھولا ہوا پیٹھیمبر“ (FORGOTTEN PROPHET) کے عنوان سے ایک نظم لکھنا چاہتے تھے۔ کاش! اگر وہ نظم لکھی جاتی تو انگریزی زبان کا بھی ایک شاہکار اور غیر فانی نظم ثابت ہوتی +

جب اقبال کی شہرت بہت عام ہو گئی ان کی کتاب ”اسرارِ خودی“ اور ”رموزِ بے خودی“ کا یورپ کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور ان کے علمِ دل

کاڈنکا چاروٹانگ عالم میں بجنے لگا تو حکومت ہند نے بھی اذراہ قدر دانی
 بڑے اعزاز و اکرام سے سب سے بڑا خطاب ”سرا“ ان کو پیش کیا، اور انہوں
 نے اس کو قبول کیا۔ اس پر لوگوں کو اعتراض ہے کہ اقبال جیسے حریت پسند
 اور آزاد انسان نے اس کو کیوں قبول کیا۔ پھر ان پر یہ بھی الزامات ہیں
 کہ ملکہ وکٹوریہ کے انتقال پر ایک المیہ ترکیب بند لکھا۔ گورنر کی شان میں
 قصیدہ لکھا، ان کی ساری زندگی سرکار پرستوں کے ساتھ گزری، ہم
 ہے عجب مجموعہ اعدا و اے اقبال تو

بات یہ ہے اقبال ایک بلند مرتبہ انسان تھے، ان کا دل فرقہ پرستی سے
 پاک تھا، اور دوست و دشمن ان کی نظروں میں یکساں، وہ قدر شناسی میں
 بہت فیاض واقع ہوئے تھے، اگر کوئی ان کے ساتھ معمولی احسان کرتا تو
 زندگی بھر اس کے احسان کو مانتے، اگر وہ کسی میں کوئی خوبی دیکھتے تو
 بڑی فراخ دلی سے اس کا اعتراف کرتے، انہوں نے شیطان کی خودی کو
 بھی سراہا ہے، اور مسیولینی جیسے خونخوار انسان کی ندرت فکر و عمل کی بھی داد
 دی ہے، اقبال کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ان کی نظر کسی برائی کی نسبت
 اچھائی پر زیادہ پڑتی ہے۔ ان کا قلم کسی سچو لکھنے سے بالکل پاک ہے زندگی
 بھر میری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے ”پر عمل رہا ہے۔ اس لئے ملکہ
 وکٹوریہ کے انتقال پر جن کے بعض ذاتی اوصاف مستمہ ہیں اگر کوئی

درد انجینئر ترکیب بند ان کے قسم سے نکل جاتا ہے، یا کسی انگریز کے
کنسی اخلاق سے متاثر ہو کر کوئی مدیجہ قطعہ لکھ دیتے ہیں یا کوئی دشمن ان
کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرتا ہے، اور وہ اپنی اس اعلیٰ ظرفی سے
کام لے کر اس کو قبول کر لیتے ہیں تو اس میں تعجب کی بات نہیں
ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ اوروں کی طرح ”سر“ ہو کر واقعی
حکومت کے آلہ کار بن گئے؟ اس کے لئے ہم کو ان کی زندگی پر
نظر ڈالتی ہوگی۔ ہم ان کی ساری زندگی ٹٹولتے ہیں اور عاجز و درماندہ
رہ جاتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی تو ایک زندہ شرب صوفی اور درویش
کی سی معلوم ہوتی ہے۔ زندگی بھران کی زبان پر یہ شعر رہا، اور اس کی
دوسروں کو تلقین بھی کرتے رہے۔

اے مرے فقر غیور فیصلہ تیرا۔ ہے کما
خلعت انگریز یا پیسہ بہن پاک چاک

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم

بر خلاف اس کے ان کے ساتھی سرے کیا کچھ ہو گئے، اگر انہیں

کی ایجنسی ان کو پیش بھی کی جاتی ہے تو اس کو قبول نہیں فرماتے، اس قسم کے بہت سے مواقع نام و ثروت کے زندگی میں ان کو حاصل ہوئے۔ مگر وہ ہمیشہ ان سے احتراز کرتے رہے ۛ

ڈاکٹر اقبال کیا تھے ؟ اس سوال کا جواب بہت مشکل ہے۔ کہنے کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ وہ دنیا کے ایک بہت بڑے انسان، دور حاضرہ کے ایک بلند پایہ حکیم و فلسفی، دنیا پر خودی کا راز فاش کرنے والے، انسانوں کو آداب جنوں و خود آگاہی سکھانے والے، غلاموں کو اسرار فقر و شہنشاہی سمجھانے والے، مسلمانوں کو شانِ مومن بتانے والے حقیقت کے ترجمان، انسانیت کے معلم، وطن کی عزت، ایشیا کی آبرو، ملت کی شان و غیرہ وغیرہ، لیکن ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں انسانِ کامل کی ایک جھلک پائی جاتی تھی، وہ خود دار فقیر کے مرنے اور عاشقِ رسول تھے، وہ ملتِ اسلامیہ کو ایک دولتِ تازہ بخشے، انسانیت کو چہرہ تازہ دینے اور غلاموں کو درسِ خودی دینے کے لئے مامور ہوئے تھے اور ہم اس کی شہادت دے سکتے ہیں کہ بحمد اللہ اس حکیمِ شرق نے اپنے فرض کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ اب ان کے کام کی تکمیل اور اس کے نتائج سے فائدہ اٹھانا ہمارا کام ہے خدا ہم کو اس کی توفیق دے ۛ

کلمۃ للنّاش

علامہ اقبال کی یاد میں جو لٹریچر ہندوستان میں شائع ہوا ہے
 اُس میں "یاد اقبال" سب سے پہلی کتاب ہے جو ۱۹۴۷ء کے شروع
 میں اقبال ایکڈمی نے شائع کی تھی۔ بہاول پور کے محکمہ تعلیم نے
 اس کتاب کی یہ قدر دانی کی کہ ریاست کی لائبریریوں اور اسکولوں کے
 لئے اسے منظور کر لیا اور پہلا ایڈیشن نصف کے قریب خرید لیا۔ اس
 کے بعد حکومت آصفیہ حیدر آباد دکن کے محکمہ تعلیم نے اسے سکولوں اور
 لائبریریوں کے لئے منظور فرمایا مگر ایسے وقت میں سرکلر جاری ہوا۔
 جب اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا تھا۔ دوسرا ایڈیشن اس
 بہت دیر کے بعد شائع ہو رہا ہے۔ کتاب کی بہت مانگ ہے
 اسلئے کہ یہ ایڈیشن بھی پہلے ایڈیشن کی طرح ہاتھوں ہاتھ
 نکل جائے گا۔ و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

محمد شاہ

مہتمم اقبال ایکڈمی لاہور

فہرس

صفحہ	صاحب مضمون	مضمون	نمبر شمار
۳	جناب آئینل سر شیخ عبد افق در صاحب	تقریظ	۱
۷	جناب محمد سنبل سید جامعی	اقبال اُن کا نام اور کام	۲
۱۶	سید محمد شاہ ایچ اے منظم اقبال اکیڈمی	کلمۃ للنفاشر	۳
۲۹	نوکار	بخدمت حضرت اقبال	۴
۳۰	نوکار	کیمیائے عشق سے اقبال تیری مشیت خاک	۵
۳۱	نوکار	ہو گیا پتہاں وہ میر کا رول لاہور کا	۶
۳۲	نوکار	تو نے اے اقبال چھوڑا کھنور اسراہیل کیا	۷
۳۵	خالص صاحب ابوالاثر حفیظ جالندھری	اقبال بلند ہو گیا ہے	۸
۳۶	مولانا حسرت موہانی	اشک غوثی	۹
۳۷	حفیظ موہانی پوری صاحب	نالہ پابند نے	۱۰
۴۳	مفتی احمد خاں میکیش	حضرت اقبال کا مزار	۱۱
۴۵	خواجہ دل محمد صاحب ایم اے	اقبال کے مزار پر عقیدت کے آئینہ	۱۲
۴۷	جناب جلال الدین صاحب پیر سٹر	اقبال	۱۳
۴۸	ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے	علامہ اقبال	۱۴
۴۹	ابو نعیم نقشر جالندھری	وصال اقبال	۱۵
۵۰	مولانا ناصر حسن حسن پوری	آہ اقبال	۱۶
۵۱	بزمی انصاری	آہ سر اقبال	۱۷
۵۳	اثر ملکوالی	یاد اقبال	۱۸
۵۵	جناب یسمل دہلوی صاحب	اقبال اور سرزمین پنجاب	۱۹
۵۷	سید فیضی جالندھری	سرور رفتہ	۲۰
۵۸	منظور حسین صاحب منظور	نوحہ اقبال	۲۱

۶۰	مولانا خلد بخش صاحب انظر ادب سری	۲۲	اقبال
۶۲	چام عباسی را پیوری	۲۳	اقبال
۶۶	حامد الانصاری غازی صاحب	۲۴	علامه اقبال
۶۹	ادب البکالوی	۲۵	آه اقبال
۷۲	شیخ روشن دین صاحب تغیر	۲۶	اقبال جنت میں
۸۱	اقبال شبیم پیوری	۲۷	نذر اقبال
۸۲	سراج الدین ظفر	۲۸	اقبال
۸۵	شیر محمد سعید	۲۹	عقبت اقبال
۸۶	اجمل نجیب آبادی	۳۰	شکست شیشه
۸۷	محمد اشرف خاں صاحب عطاء	۳۱	مرقد اقبال
۸۹	لارنگین ناتھ آزاد بی	۳۲	ما تم اقبال
۹۳	خلیق قریشی	۳۳	نوحہ علم
۹۵	تبسم قریشی	۳۴	استقبال برت
۹۷	الطائف حسین بشمدی صاحب	۳۵	اقبال کا پیغام
۱۰۲	ایمن شہانی صاحب	۳۶	سرا اقبال
۱۰۳	اختر بریلوی صاحب	۳۷	نوحہ اقبال
۱۰۹	خواجہ غلام نظام الدین صاحب	۳۸	ترجمان طبیض غوش
۱۱۱	محمد صادق صاحب علیاء	۳۹	مزار اقبال پر
۱۱۴	پنلال ششدر	۴۰	غم اقبال
۱۱۵	عاشق محمد صادق	۴۱	بیادشاعر مشرق
۱۱۶	غلام قادر صاحب فرخ	۴۲	اقبال زما برقت
۱۱۹	غلام مصطفیٰ صاحب بی اسے	۴۳	وفات اقبال
۱۲۰	زیب عثمانیہ بیگم صاحبہ	۴۴	آہ! علامہ سر اقبال
۱۲۲	خمیدہ خاتون فرحت دیرہ خان شرق	۴۵	آہ! شاعر مشرق
۱۲۳	سردار بیگم اختر حیدر آبادی	۴۶	آہ! اقبال
۱۲۵	صالح بیگم صاحبہ مخفی	۴۷	ما تم اقبال

بخدمتِ حضرت اقبال

میں مجھلا دوں کس طرح پھر ترانہ شبانہ
 ہے اسی کے دم سے میری یہ نوائے عاشقانہ
 مرے سازِ زندگی کو ہمہ تن گدا کر کے
 یہ نکل رہا ہے پیہم ترے عشق کا ترانہ
 وہ حقیقت پنے جلوں کو دکھائے چھپ گئی ہر
 شب و روز جن کی آمد کا تھا منتظر زمانہ
 دل بے قرار یہ بھی کوئی زندگی ہے تیری
 نہ نگاہِ قہر مانہ نہ ادائے دلبرانہ
 میں سناؤں اُن کو کیسے یہ پیامِ رزمِ ہستی
 ہے عمر بھر جو سنتے شبِ عیش کا فسانہ
 ترے آتشیں ترانے میں بدم گار ہوں
 ہو مجھے بھی تاکہ حاصلِ تب و تابِ جاودانہ

کیمیائے عشق ہے اقبال تیری مشیتِ خاک

پھر سنو رشوق کو آکر مرے ہمیں ذکر
 دشت کے دزدوں کو پھر مہرِ تجلی بریز کر
 پھر بدل دے قوتِ تخلیق سے راہِ حیات
 ساری دنیا میں بیا طوفانِ رستاخیز کر
 پھونک پھر اس قلبِ افسردہ میں روحِ حیدر
 بے نوا کو دارِ بشتِ تختِ جم و پرویز کر
 خود فراموشی سے خالی عاشق و معشوق ہوں
 جوشِ عسفرانِ نفس سے عشق کو لبریز کر
 جذبِ مستی میں کھڑے ہیں پھر سراپاِ انتظار
 یا آہی اپنے بندوں سے نہ اب پرہیز کر
 اپنے جلوں سے منور کر کے دل کی کائنات
 اور بھی رفتارِ ذوقِ جستجو کو تیز کر

کیمیائے عشق ہے اقبال تیری مشیتِ خاک
 میری ہستی کو بھی نذرِ آتشِ تبریز کر

ہو گیا پنہاں وہ میر کا رواں لاہور کا

ہو گیا پنہاں وہ میر کا رواں لاہور کا
 قافلہ بے جاوہ و منزل رواں لاہور کا
 جس نے دنیا بھر کے زندوں کو صلائے عام دی
 مرشدِ کامل تھا اک پیرِ مغان لاہور کا
 اس خراب آباد میں اب وہ دل مینا نہیں
 ڈھونڈنا پھر تا ہے ہر پیر و خواں لاہور کا
 بچھ کے وہ شعلہ ہے لیکن ادب بھی تابندہ تر
 جس کی چنگاری سے روشن تھا جہاں لاہور کا
 عشق و مستی کے سنا کر فتنہ کئے جاوداں
 جاودانی کر گیا نام و نشان لاہور کا
 سینکڑوں عالم بنائے پھر دمِ تخلیق سے
 خاکِ گر ڈالا جلا کر اک جہاں لاہور کا

ہو گئے ہیں باعثِ صداقتِ کارِ کائنات
 یہ زمیں لاہور کی ، یہ آسمان لاہور کا
 جاوداں اس کو بھی کراقبال سوزِ عشق سے
 نذر کو لایا ہے دل ، اک نوجوان لاہور کا

فکار

تو نے اے اقبال بھونکا صُورِ اسرافیل کیا

دل کی مینا اور ہے، شیشے کی مینا اور ہے
اس کی صبا اور ہے اور اُس کی صبا اور ہے
ایک سستی ہے کہ مرہونِ خمار و خستگی
جاودانی ہو اثر جس کا وہ نشہ اور ہے
ایک ہی جلوہ سے لیکن فرق اہلِ دیدیں
چشمِ بینا اور ہے اور قلبِ بینا اور ہے
کوہِ دھسرا میں جو گم ہو وہ نہیں سوائے عشق
کوہِ دھسرا جس میں خود گم ہوں وہ سودا اور ہے
جس کی فطرت ہو ایمنِ قاہری و دلبری
جس کا شیدا ئی ہے دل وہ سوتے زیبا اور ہے
کس نے پھر کیس بدل ڈالی مری بزمِ خیال
اب تمنائی ہوں میں جس کا وہ دُنیا اور ہے

دمبدم ہو اور بھی یہ شعلہ فرقت بلند
 میرے اس دردِ محبت کا میسا آور ہے
 تو نے اے اقبال پھوڑ کا صنوبر اسرائیل کیا
 عالمِ فکر و عمل کا اب تو نقشہ آور ہے

زنگار

اقبال بلند ہو گیا ہے

رفا نصاحب ابوالاثر حفظ جانہ صرنا

غم حوصلہ مند ہو گیا ہے دل صبر پسند ہو گیا ہے
 دریا دریا تھے میرے آنسو وہ چشمہ ہی بند ہو گیا ہے
 غم کھانے کی ہو گئی ہے عادت یہ زہر بھی قند ہو گیا ہے
 کچھ لطف نہیں ہے ندگی کا ہر سانس گزند ہو گیا ہے
 ہاتھوں سے خوشی کا ہر بہانہ پردہ انداز پر بند ہو گیا ہے
 انداز حیات و مرگ اقبال میرے لئے پسند ہو گیا ہے
 دنیا میں بڑا تھا اس کا رتبہ عقبی میں دوچند ہو گیا ہے

اقبال بلند تھا ہمارا

اب آدر بلند ہو گیا ہے

اشکِ خونین

(مولانا فضل الحسن حسرت برہانی کا پنور)

عاشقی کا حوصلہ پیکار ہے تیرے بغیر
 آرزو کی زندگی دشوار ہے تیرے بغیر
 کاروبارِ شوق کی اب وہ تن آسانی کہاں؟
 دل پہ ذوقِ شاعری اک بار ہے تیرے بغیر
 شرکتِ بزمِ سخن سے بھی ہمیں باوصیتِ مہم
 بر بنائے بے دلی الکار ہے تیرے بغیر
 جس فراغت کا تمنائی تھا میں تیرے لئے
 اب دکھ حاصل ہے تو اک آزار ہے تیرے بغیر
 دردِ دلی جو بھٹکا کبھی وہ بزمِ میاںات و شہرت
 بہرِ حسرت موجبِ صد عار ہے تیرے بغیر

نالہ پابند نے

(جناب حنیف ہوشیارپوری صاحب ایم اے)

عمرِ نادرِ کعبہ و تنجہ نہ می نالہ حیات
تازہ بزمِ عشق یک دانا ئے رازِ آیدہ پروں

اقبال

سناٹیں کیا کسی کو قصہ در دہنساں اپنا
نہ کوئی ہم زباں اپنا، نہ کوئی رازِ داں اپنا
وہی ہم ہیں، وہی دیرِ سہ نہ ماتم بد نصیبی کا
نہ رشتہ زماں اپنی، نہ دورِ آسماں اپنا
ابھی کچھ داد باقی تھی ہمارے سخت جانی کی
ابھی منظورِ محققا قدرت کو شاید امتحاں اپنا
مفقد کو تدبیر سے کیا تھا سرنگوں جس نے
نظر آتا نہیں ہم کو وہ "میر کا رواں" اپنا

کدھر کو جائیں اہل کارواں "بانگ درا" گم ہو
 درا کا ذکر کیا اس کارواں کا رہنما گم ہے
 ہوا ہے قوم کے اقبال کا بربز پیمانہ
 گیا وہ سابق بزم خودی، ویراں ہے مینانہ
 جو تندریل نواسے راہ مستقبل دکھاتا تھا
 جو رورو رو کر سناتا تھا غم ماضی کا افسانہ
 غلاموں کو کیا ذوق یقیں سے آشنا جس نے
 گداؤں کو بتائی جس نے راہ درہم شانہ
 "یقین محکم، عمل پیہم، محنت فاتح عالم"
 زمانے کو دیا جس نے یہ پیغام حکیمانہ
 دلائے گا ہمیں اقبال کا عرفی سفر برسوں
 نہ ہوگی اس شب تاریک ہجر اب کی سحر برسوں
 بظاہر خاک میں پوشیدہ اہل دل بھی ہوتے ہیں
 زمیں پیوند دنیا میں مہ کامل بھی ہوتے ہیں
 یہ گرداب فنا ساحل ہے عسمر جاودانی کا
 کبھی گرداب کی تہ میں نہاں ساحل بھی ہوتے ہیں

یہ دنیا رہزور ہے اور غبارِ راہ میں انسان
 غبارِ راہ اکثر واصل منزل بھی ہوتے ہیں
 تلاشِ ناکہ پیلے میں رہتے ہیں جو سرگرداں
 وہ اک دن روٹنا اس پردہٴ گل بھی ہوتے ہیں
 ”بروں از گنبدِ در بستہ پیدہ کردہ ام راءے
 کہ از اندیشہ بر تری پرد آہِ محرگاہے“ (اقبال)

کچھ اس انداز سے چھڑی حدیثِ آرزو مندی
 غبارِ راہ کو تو نے عطا کی شانِ انور مندی
 جو پایا تجھ کو اپنا محسوسِ اسرارِ فطرت نے
 تجھے سوچی سر دس علم و حکمت کی جناب مندی
 جہاں آب و گل سے لے اڑا ذوقِ خودی تجھ کو
 گوارا ہونہ سکتی تھی تجھے جینے کی پابندی
 ہم آغوشِ اس شہرِ جاوداں سے ہو گیا آفر
 ”تیری آتش کو بھڑکانی تھی جس کی دیر پونیدی“

نشاطِ جاوداں تیرا، بہشتِ جاوداں تیری
 فروغِ لامکاں تیرا، فضائے لامکاں تیری

نظر سے جلوہ آخر کی تابانی نہیں جاتی
 دل مجور کی آئینہ سامانی نہیں جاتی
 ہوا تیرے شکوہ مرگ سے ثابت کہ مر کر بھی
 پرستارِ ان حق کی خندہ پیشانی نہیں جاتی
 تری تربت پہ جاتے ہیں اُبلاتے ہیں، جگاتے ہیں
 یہ نادانی سہی، لیکن یہ نادانی نہیں جاتی
 تو وہ شہ کارِ فطرت تھا کہ تجھ کو چھین کر سم سہ
 نہیں جاتی "مشیت" کی پیشانی نہیں جاتی
 جہاں آباد ہے تجھ سا گمراہاں نہیں کوئی
 تارے ہیں بہت لیکن مہتاباں نہیں کوئی
 تجھے ہم عمر بھر روئیں مگر رونے سے کیا حاصل؟
 نہ تجھ کو پاسکیں گے اپنی جاں کھونے سے کیا حاصل؟
 ترادِ بخِ جہدائی حشر تک دل سے نہ جائے گا
 یہ دُھل سکتا نہیں، اشکوں سے منہ دھونے سے کیا حاصل؟
 نہ چھوٹے گا نہ بال آرزو آئسو بہانے سے
 یہ دانے اب زمینِ شعریں بونے سے کیا حاصل؟

یہ نالے جب بدل سکتے نہیں تقدیر انساں کو
 تو ان مجبور یوں پر لوحِ حواں ہونے سے کیا حاصل؟
 نہ پایا بن طلب کوئی نہ انجام نمنا ہے
 "اثر فریاد دہائے حزمیں کا کس نے دیکھا ہے"
 یہ ممکن ہے رگِ گلبرگِ تر سے ہوشِ پید
 نہیں ممکن کوئی اقبالِ سا ہو پھر بید
 حیات آوارہ دیر و حرم رہتی ہے صدیوں تک
 تو بزمِ عشق سے ہوتا ہے اک صاحبِ نظر پید
 کئی پرویزِ ادبِ عیش و عشرت مے کے مرتے ہیں
 تو ہوتا ہے کہیں فرادِ ساخوین جگر پید
 ہزاروں سالِ نرگس اپنی بے لوری پہ روتی ہو
 بڑی مشکل سے ہوتا ہے چین میں دیدہ و بید
 نہ جانے کتنی مدت آفتابِ اس غم میں جلتا ہے
 تو سنگِ تیرہ بیل بے بہا بن کر نکلتا ہے
 دیارِ شوق سے یارب کوئی معنی طرز آئے
 باہنگِ حجازی پھر صدائے دل نواز آئے

ناک نے شعلِ خورشید لے کر جس کو ڈھونڈا تھا
 کہیں سے وہ ایمنِ دولت سوز و گداز آئے
 فیترہ نشیں کو جو غرورِ خسرو سی بختے
 خمتانِ خود سی سے وہ شراب خانہ ساز آئے
 ”سرورِ رفتہ“ کی پھر آرزو ہے کوششِ معنی کو
 کسی وادی سے پھر اقبالِ سادانائے راز آئے
 تراقصِ شناس لے گلشنِ ایجاد پیدا ہو
 کوئی لوحِ گدِ غرناطہ و بغدِ اد پیدا ہو

حضرت اقبالؒ کا مزار

(آقائے ترقی احمد خاں میکیش)

جانبِ شرق جو ہے جسدِ شاہی کا منار
ایک دن میں نے سنی اُس پہ مؤذن کی پکار
غلط کلمہ تو جیسے دکا ہوتا تھا بلند
ساتھ ہی نعرہٴ تکبیر کی بھی تھی تکرار
وہ یہ کہتا تھا کہ آرام سے بہتر ہے نماز
وہ صدا دیتا تھا اے نیند کے مائل ہشیار
اُس کی آوازیں اک سوز کی دُنیا تھی نہاں
لرزہ انگیز تھی اس مردِ خدا کی لہکار
اُس کی کُئے سے تھی مرے قلب کی دنیا موم
اس کی آواز سے تھی مر سی سماعتِ حظدار

اُس کی آواز رہ گوش سے دل میں اُترتی
 کر گئی روح کے خوابیدہ قومی کو بیدار
 جا کے دیکھا تو ملی حضرت اقبال کی روح
 جس کے پاؤں میں مری جان ہو سو بار بار
 مجھ کو دیکھا تو کہا "خوب تحسین کیوں ہے"
 "اپنے مرنے کا مجھے بھی ہے مکمل قرار"
 "لیکن اس حال میں بھی میرا وظیفہ ہے وہی
 ہو گیا جس میں مرا جامہ ہستی صد تار"
 "زندگی میں برس قافلہ کہتے تھے مجھے
 اب مودن ہوں میں حلقہ بزم ابرار"
 "ماذنہ سجد شاہی کا جو ہے کاخ بلند
 دیکھو اس کاخ کے سائے میں بنا میرا خرا"

اقبال کے مزار پر عقیدت کے آنسو
 خواجہ دل محمد صاحب ایم اے سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور

شاہنشاہِ اقلیم معافی اقبال دانا ئے رموزِ آسمانی اقبال
 احباب کو مرثیہ پہ اصرار ہر کیوں رکھتا ہے حیاتِ جاودانی اقبال

پیغام پہ پیغام چلے آتے ہیں انعام پہ انعام چلے آتے ہیں
 بے تار کا سلسلہ تھا اللہ کیساتھ الہام پہ الہام چلے آتے ہیں

اقبال تھا آشفتنہ نگینوئے حجاز اقبال شہید تیغِ ابروئے حجاز
 مرقہ میں بھی انتظار باقی ہے اسے جنوٹوں تب تبسم اور منہ سے حجاز

گفتارِ حکیم ہے کلامِ اقبال پیغامِ حکیم ہے پیغامِ اقبال
سرمایہِ خوشِ زندگانی ہے یہی گردِ دل میں ہو سوزِ تمامِ اقبال

قطعہٴ تاریخِ وفات

کون لائے گا اب پیغامِ سروش؟
اے دلِ اقبال ہو گیا رُپوش
شمعِ خاموش، سالِ حشری ہے
عیسوی، شمعِ شاعریِ خاموش

اقبال

جناب جلال الدین بیرسٹرایٹ لاہور
روح و روان دوستی، مہرِ منیر علم و فن
آج ترے فراق میں جانِ ہماں سی پُر خیزن
ختمِ مخفی تجھ پہ دوستی جس کا بنا رفیق تو
اس سے رہا تو ہم لڑا مثلِ عنادِ دل چمن
چشمِ علم سے ترے نہرِ حکم رواں مدام
فکرِ سائری سدا با عوہٗ حیرتِ زمین
دورِ جدید میں اگر فکرِ جدید کا ظہور
ہوتا تھا تیری قوم کے فکرِ صحیح میں خندہ زن
طرحِ غیور میں تری اٹھتا تھا ایک ولولہ
ماہِ غیب بن کے تو دل پہ تھا روشنیِ لکھن
کون بنے گا ترے بعد دینِ ہدی کا ترجمان
آئے گا کب جہان میں پھر تجھ سا پیرِ سخن

علامہ اقبال

ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پنی ایچ آر ڈی
جامعہ ملیہ دہلی

لطفِ مجلس کیا رہا جب میرِ مجلس اُٹھ گیا
وائے ناکامی کہ بزمِ اہل دل برہم ہے آج
تھا جہاں کلِ نعمتِ ستانہ کا جوش و خروش
بے دہاں آہ مسلسل نا اہلِ پیہم ہے آج
سینہٴ مسلم کہ تھا گنجینہٴ مرثوق و امید
ہے دُورِ یاس اس میں ادبِ نجومِ غم ہے آج
تکمر کی جب سالِ رحلت کی تو دسی دل نے صدا
ہمتِ اسلام میں اقبال کا ماتم ہے آج

وصالِ اقبال

(ابونعیم انصاریؒ کا فخر جالندھری)

دُنیا سے اٹھ راج دُلا را اقبال

نظروں سے چھپا داج دُلا را اقبال

ہر غلط ہے یوں لوحِ سراپا درہند

پیادا اقبال، ہائے پیارا اقبال

اسرارِ خودی کے کون سمجھائے گا

خود تڑپے گا کون، کون تڑپائے گا

اسلام اسی غم میں گھلا جاتا ہے

دانا تھے رموزِ عشق، کون آئے گا

محمود شاہ مر قلمِ درد نہ رہا

محکوم کا مظلوم کا داؤد نہ رہا

یوں مرتبہ خواں ہے عالمِ لوبِ بشر

آزادی انساں کا حبیب درد نہ رہا

آہ! اقبال

(از مولانا حسن پوری صاحب)

آہ! وہ اقبال کا سوزِ جگر
 آہ! وہ دین کے شبستان کا چرخ
 آہ! وہ شعلہ جو محفی ہو گیا
 کر کے روشن بزمِ ایمان کا چرخ
 آہ! وہ پُر درد و حق آگاہِ دل
 تنہا جو حکمت کے دبستان کا چرخ
 روشنی لیتا تھا جس کے نور سے
 عشقِ حریت کے ایوان کا چرخ
 اے قضا یہ نور چھپنے کا نہیں
 گوشہٴ دامن سے کیوں ڈھانکا چرخ
 بے بصیرتِ مُردہ دل کہتے ہیں
 بچھ گیا گورِ غریباں کا چرخ
 جادو دانی ہے اثرِ اقبال کا
 گل نہ ہو گا اس گلستان کا چرخ

آہِ اقبال

(از جناب ہری انصاری بی اے)

آج رخصت ہوئے دُنیا سے جنابِ اقبال
 چھپ گیا زیرِ نہیں لبتِ بیضا کا ہلال
 آج گل ہو گئی ماتم کدہ ہند میں شمع
 جس کی کرنوں سے منور ہوا فانیوں خیاں
 آج رخصت ہوا اقوامِ ہل کا مُسن
 کیوں نہ ہر قلب پہ طاری ہو غم و رنج و طال
 ہندی نغموں میں بھرا سوزِ حجازی جس نے
 کشورِ ہند میں تازہ کیا ایساں بلال
 فیضیاب اس سے ہوئے مشرق و مغرب کیاں
 اس کے شہزادہ احساں میں جنوب اور شمال
 اُس کے نغموں سے ہوا سب خودی کا افشار
 یہی تھا اصل میں اُس مرقدِ کمال

درِ دِ اسلام نے رکھا صد ایسے تاب اُسے
 غم رلاتا تھا اُسے ملتِ بیضا کا زوال
 خالی مشرق ہوا اس کو ہر ایک دانہ سے
 جس کی ڈھونڈنے نہ گئی کہیں دُنیا میں مثال
 خاک میں چھپ گیا وہ مردِ یگانہ صدِ حقیقت
 جس کی نظروں میں تھا ملت کا سحر اور زوال
 پارہ پارہ ہے ہجر، اُوج پر غم کا سایہ
 اور دلِ مسلم بچارہ ہے صدیوں سے نہصال
 اٹھ گیا آج نقیبِ حشمِ پیغمبر
 اٹھ گیا آج زمانے سے شہِ یزیدِ قبا

یادِ اقبال

(از جناب محمد غالب انرچکوالی صاحب بی اے ایل ایل بی)

ایشیا کا فخر، مشرق کا پیہر چل بسا
 آہ! وہ اقبال، وہ مردِ قلندر چل بسا
 جس کی تابش سے مہر تھا جہاں شاعری
 آسمانِ شعر و حکمت کا درخشاں چل بسا
 گرم تھا دل جس کا سوزِ احمد مختار سے
 اجتہاد و صدق و آزادی کا پیہر چل بسا
 جس نے پھونکا قلبِ بیت بیضا میں افسونِ حیات
 زندگی بجا و دامن کا وہ پیہر چل بسا
 رہند کے سارے جواہر جس کے آگے ماند تھے
 آہ! وہ انمول، وہ لاثانی گوہر چل بسا

عشق تھا جس کی نظریں بتوں کی زندگی
 وہ محیط عشق و الفت کا شناور پیل بسا
 بام پر جس نے ترقی کے چڑھایا قوم کو
 عہد موجودہ کا وہ بیباک رہبر چل بسا
 وہ کہ جس کی ہر نوا تجسیدِ شانِ رفتہ تھی
 سیرتِ بسمطامی و بلوذر کا منظر چل بسا

اقبال اور سرزمین پنجاب

از جناب سہیل دہلوی صاحب

لٹ گیا تیری تختیں آفرینی کا شباب
 خون کے دانے اگلے سرزمین پنج آب
 بے خودی اب کس کو بخشے گی خماری معنوی
 اڑ گئی تیری صراحی سے خبرِ درِ در شراب
 شعریت کا سوزِ باں افروزِ بر سائے گا کون
 کون اب فطرت کے چہرے سے اٹھائے کاف
 بچھ گیا تیری فیضیت کا وہ ضوِ افکن چیراغ
 آسمان پر ڈھونڈنا پھرتا ہے جس کو آفتاب
 بے گئیں جو رہیں اٹھا کر اس پریشیاں حال کو
 توہی کیا ہر روتی ہے اک دنیا ترے اقبال کو
 لیکن اے بد بخت سے تو ناشناس التفات
 کس طرح کرتا ترے آغوش میں وہ دنِ ہزات
 ان سنی کرتی تھی تو اقبال کی بانگِ درا
 بے کے آیا تھا وہ تیرے نام پیغامِ حیات

ترک کی پھر بھی نہ تو نے بے حسّی، مُردہ دلی،
 لاکھ سمجھانا راودہ زندگانی کے نکات
 ظلمتوں میں دیکھنا تھا وہ تجھ لائے قلوب
 اُس کا ہر انداز تھا گرویدہ صد مشکلات
 وہ تری تقریب بہت سوز میں شامل نہ تھا
 تیرا انگشتن اس بلا آہنگ کے قابل نہ تھا
 اب تو کستی ہے دل بے جس کو گرائے گا کون؟
 رعبِ سلطانی کو اپنے ڈر سے ٹھکرائے گا کون؟
 ہوگا اسرارِ خودی کا فزن اب کس کا کلام؟
 گیسوئے اُردو اب اے اقبال سلجھائے گا کون؟
 کون اب پہنچائے گا پیغامِ بالِ حبیبِ ایل؟
 جامہٴ کُسنہ ترکیبوں کو پہنائے گا کون؟
 کون اب دے گا زمانہ کو غمِ ضربِ کلیم؟
 موجِ خوابیدہ کو اب سینے میں تڑپائے گا کون؟
 تو رموزِ بیہِ خودی کا آئینہ نہ پر داز تھا
 اس گستاخ کو تراگریہ ابھی درکار تھا

سُرودِ رفتہ

از جناب سید فیضی جالندھری صاحب

حضرت اقبال آں معجز گرسے در جہان شاعران پیغمبر سے
شاعر مشرق، حکیم باکمال آسمان دولت یسماں گوہر سے
ظاہر شہ ناسد باطن خوش نظر باطنش از ظاہر او خوشتر سے
مرست انصہبائے اللہ، الصمد کہوت لا تقنطوا اندر دین سے
زارت این باشد کہ کوئی تو رجا از شعاع ہر دماہ روشن تن سے
آنکہ رشد ضرب کلیمش در جہاں بہر فرعون فرنگی خنجر سے
آنکہ نور وہ از سہوئے لا الہ ساقییں آساں لب ساغر سے
بلست اسلام را بطل جلیل شاعر سے حریت آں جادوگر سے
غافل از خود در جہان بے خودی خوش ہو دایں شعر ہیرت پرور سے

”مغروق دریا طغناک و برنا و پیر
جاں بساعل بزدیک مرد فقیر“

نوحۂ اقبال

(از جناب ملک منظور حسین صاحب منظور بنی اے)
 کس قدر درد آفریں ہے شاعر مشرق کا غم
 روزِ محشر سے نظر آتا نہیں یہ روزِ کم
 بن گئے ہیں سر پہ سر کا شانہ رنج و اطم
 کابل و ہندوستان، مصر و عرب، روم و عجم
 فرطِ غم سے گلشنِ اسلام ہے پامال آج
 سو گیا ہے اُمتِ مرحوم کا اقبال آج
 کون اب تازہ کرے گا آتشِ عشقِ حجاز
 کون بجھے گا دلِ عشاق کو سوز و گداز؟
 اب کہاں دیکھے گی چشمِ غزنوی حُسنِ ایاز
 کون سمجھائے گا اس کو معنیِ ناز و نیاز؟
 دروینِ کردِ کی کھینچے گا اب تصویرِ کون؟
 عشقِ بنِ کراہ کرے گا عشق کی تفسیر کون؟

اٹھ گیا دنیا سے میرے کاروانِ زندگی
 جس کے دم پر ناز کرتا تھا جہاں زندگی
 جس کی بہت سے کھلے ستر نہاں زندگی
 جس نے آسماں گردیا تھا امتحانِ زندگی
 جس کا ہر اک حریف تھا آئینہ دارِ کائنات
 جس کا ہر اک لفظ تھا گنجینہٴ رازِ حیات
 آہ اپنہاں ہو گیا دنیا سے وہ دانائے راز
 پیکرِ مشرق میں تھا جسکی نوا سے سوز و ساز
 ذوقِ پروازِ تجیل جس کا تھا شاہیں نواز
 جس کے اندیشے میں تھی اک گرمی آہنِ گداز
 آتشِ حسنِ ازل تھی شوخیِ تحسیر میں
 گرمیِ ذوقِ عمل تھی نالہٴ شبگیر میں

اقبال

(از جناب مولانا خاندان بخش صاحب اعظم امرتسری)

اقبال ۱۰۔ اے سپہرِ بلاغت کے آفتاب
 ہو گا نہ کوئی ملکِ سخن میں ترا جواب
 پل کر بڑا جواں ترے آغوشِ فکر میں
 کہتے ہیں جس کو اہل جہاں جویشِ انقلاب
 تو نے اٹھکے پردہٴ فطرت دکھا دیا
 دریا میں دشت، دشت کے آغوش میں سُرّاب
 تیرا دماغ مطلعِ خورشیدِ معرفت
 تیرا خیال علم و حقیقت کا ماہتاب
 بس تھے رست بادہٴ کُشانِ جنین و بدر
 تو نے پلائی شعر کے ساغر سے وہ شراب

تعبیر جس کو ڈھونڈتی پھرتی ہے چار سو
تو نے دکھا دیا وہ نئی زندگی کا خواب
کتنی حیات بخش ہے تیری لوائے شوق
پیر جہاں نے چھیڑ دیا نغمہ شباب
تو نے بتائی قوم کو تندیبِ زندگی
پھیلی ترے کلام سے تصویرِ زندگی
اقبال اے ہمیں سبر ایمان انقلاب
تو نے پڑھایا مصحفِ عرفان انقلاب
باقی اگر ہے فیضِ تیری موجِ طبع کا
اُسٹھے گا تیرے بندے طوفانِ انقلاب
تا بر گِ حیات سے باز نہیں گئے نوجوان
توڑا جو چرخِ پیر نے پیمانِ انقلاب
اُسے کو ہے وہ روز کہ محشرِ قہر نکلتا
مانگے گی منہ چھپانے کو دامنِ انقلاب
مشرق کی کالی رات سے پھیلے گا نورِ صبح
ہوگا طلوعِ مسرورِ رخسارِ انقلاب

شاداب ہوگا بارشیں لطفِ کریم سے
 صحرائے انقلاب و گلستانِ انقلاب
 بانگِ دراءِ زبورِ عجمِ بالِ جبِ میل
 ہوں گے جدیدِ عہد میں ارکانِ انقلاب
 اقبال کے کلام میں غلطاں ہیں جس کا نور
 چرخِ عمل سے ہوگا اسی چاند کا ظہور
 مانند ابر فیض گلستانِ ہند پر
 برسا، برس کے پتھرِ وحدت کھلا گیا
 آیا تھالے کے خلد سے پیغامِ زندگی
 پیغامِ وے کے خلد کو واپس چلا گیا
 سازِ حیات چھڑ کے مضربِ عشق سے
 نغموں سے در و دل کی کہانی سنا گیا
 وہ حیر پر اثر جیسے کہتے ہیں لوگ شعر
 اس حیر سے وہ رازِ دو عالم بنا گیا
 سوئی پڑی سختی تو ہم ہلاکت کی نیند میں
 ہنگامہ حیات و عمل سے جگا گیا

شامِ سیاہ ہند میں جس سے تھی روشنی
 درست اجل وہ شمع منور بجھا گیا
 اے شاہِ شاعران زمانہ ترا وصال
 بزمِ سخن کو محض لیا تم بنا گیا
 لیکن ترے کلام سے زندہ ہے تیرا نام
 جاری ہے شرنک ترا دریا نے فیض عام

اقبال

(الذخواب جاشم عباسی رامپوری صاحب)

ہائے وہ اقبال جو تھا واقفِ رازِ حیات

ہائے وہ اقبال جس سے بہرہ ور تھی کائنات

ہائے وہ اقبال جو تھا مصدبِ علم و فن

فخرِ ملت ، فخرِ دنیا - فخرِ وہیں ، فخرِ وطن

ہائے وہ اقبال جس سے تھا ہر اندازِ کاغذ

فلسفی ، دانا ، مدبر ، منطقی روشن و تاریخ

ہائے وہ اقبال جس کا چہنمہ فکرِ جمیل

ہو شمعِ دانِ وطن کے واسطے مفاہر و دہیل

بڑھ گیا صیغہ اس کی سمت بھی بہت اہل

چل لبادِ ارقنا سے وہ ادیب بے بدل

آسماں کی کج خرامی پر زبیں رونے لگی
 ذرہ ذرہ پر جہاں کے اک اُداسی چھا گئی
 شامِ غم کی ظلمتوں میں چھپ گئی صبح بہار
 محفلِ علم و ادب کے مٹ گئے نقشِ رنگار
 نسلِ تہی جو اس کے فیض سرکشِ علوم
 ہو گئی ہے آج نذرِ گرمیِ بادِ سموم !
 قوم کی برگشتہ حالی آج دُونی ہو گئی
 مادرِ بہند آج تڑپ گودِ سُونی ہو گئی

علامہ اقبالؒ

(انجذاب حامد الانصاری غازی صاحب)

امام فلسفہ و مرد دانش حاضر
محمد عربیؐ کا غلام اور شاعر

وہ مرد شعر و سخن، راہِ قدس کا راہی
ہلی سخی حق سے جسے نعمتِ خود آگاہی
وہ ایک مرد قلندر، قلندری میں امیر
وہ جس کا فقر دلیلِ شکوہ صد شاہی

خودی کے بھید کو دنیا پر کھولنے والا
خدا کی نواہ میں حق بات تو لےنے والا

مقامِ عشق کے راز و نیاز کا محرم
متباہِ حسن کو لفظوں میں تو لے والا

وہ مردِ فکر و نظر، رہ نورِ درِ راہِ ثبات
وہ جس کی ایک صفت، بایہ ہزار صفات
وہ جس کے لفظ سے گونا گونہ ظلمِ رنگِ جود
وہ مردِ حکمت و دین، واقفِ مآلِ حیات

وہ مردِ جہد و عمل جس کی ضرب تھی کاری
وہ جس کا عالمِ جلالِ خودی و خود داری
وہ جس کے فیض سے شادابِ روح کی دُنیا
وہ جس کا حوصلہ فکر و دل کی بیداری

وہ فلسفی، وہ حق آگاہ، وہ حکیمِ جلیل
وہ جس کا فلسفہ دیتا ہے دعوتِ تکمیل

وہ جس کی بانگِ درابرج کا روانِ حیات
وہ جس کے نطق کا ہر لفظ اک صدائے جہل

وہ جس کا نطق ہے اعجازِ دینِ قیم کا
وہ جس کا قلب تھا اک رائدِ دینِ قیم کا

جنونِ عشق میں خود دارِ توم کا اقبال
وہ سرفروشوں کا سردار، توم کا اقبال

آہ! اقبال

(از جناب ادیب مالک المونی صاحب)

شمعِ فطرت تھتی جہاں میں زندگی اقبال کی
 ہر طرف پھیلی ہوئی تھی روشنی اقبال کی
 بھاگتی اہل وطن کو بے خودی اقبال کی
 مہر تاباں بن کے چمکی شاعری اقبال کی
 سوزِ پردائے کا پہنا اس کی خاکستری تھا
 شعلہ گرد و دل لود اس نے دل مضطرب تھا
 اس نے چمکایا ستارہ عظمتِ اسلام کا
 قطرہ قطرہ تھا حقیقتِ ریز اس کے جام کا
 چل سکا قابو نہ اُس پر گردِ شمسِ ایام کا
 دہریں بخت ہے ڈنکا آج اُس کے نام کا

اک وہی تسکین دل تھا غالب و عالی کے بعد
 قوم کا کیا حال ہوگا اس کی پامالی کے بعد
 اس چمن سے کیسے کیسے نغمہ پروہ چل بسے
 ہم لوٹے بگیل شیراز اکثر چل بسے
 اہل جوہر کو دکھا کر اپنے جوہر چل بسے
 محفل شعر و ادب سے داغ و اکبر چل بسے
 قوم کا اقبال تھا اقبال بھی جتنا رہا
 آہ اودہ اک نقش بے مثال بھی جانا رہا
 اُس نے اس انداز سے چھیڑا ربانہ زندگی
 اٹھ گئے اپنی لگا ہوں سے حجاب زندگی
 اُس کے شعروں میں تھا اک جوشِ شباب زندگی
 فترہِ ذرہ بن گیا سب شراب زندگی
 محفلِ ہستی میں ایسا رازواں کوئی نہیں
 کارواں باقی ہے، میر کارواں کوئی نہیں
 وہ کبھی غرناطہ و بقداد پر تھا انگبار
 وہ کبھی تھا خاکِ دلی پر دل و جاں سے نثار

سرزمینِ قریطہ میں جب ہوا اُس کا گذر
 کی بلند اُس نے وہاں بھی اپنے سینے کی پیکا
 تھا کبھی مفضلِ وطن کی ہیکسی کے واسطے
 غمِ یربِ مخصوص تھے گویا اسی کے واسطے
 اب کرے گا کون لذتِ آشنائے آرزو
 کس کے لب سے ہم سنیں گے نغمہ اللہ ہو
 کام آئے گا چین کے کس کی آنکھوں کا لہو
 کس سے زینتِ پائینگا اب یہ جہاں رنگِ بو
 عشق کے اسرارِ پناہاں ہم کو سمجھائیگا کون؟
 آتشِ دردِ محبتِ دل میں بجھے گا کون؟
 ہر نفسِ اقبال کا پروردہ السلام تھا
 اُس کے ہاتھوں میں چھلکنا زندگی کا جام تھا
 دردِ ملت سے تر پناہِ عیثِ آرام تھا
 شاعرِ اسلام تھا وہ شاعرِ اسلام تھا
 چشمِ ظاہر میں اگرچہ اب وہ لٹا سا رہے
 اُس کے نعموں میں حیاتِ جاوداں کا رہے

رُخسوں نے بصد ناز کہا، آئیگا اقبال
 فردوس میں ہنگامہ ہوا آئیگا اقبال
 ہے رقص کنناں باوص با آئیگا اقبال
 لہرانے لگی ساری قضا آئیگا اقبال
 مرقانِ ادلی اچھہ ہیں زمرہ خواں رب
 خوروں کے بستم سے چمکا اٹھا جاناں رب
 اک معراجِ طرب پیکرِ نستینم سے اٹھی
 مستی سی مزا میرِ زکروسیم سے اٹھی
 خوشبوئے شفاعت جسمِ کریم سے اٹھی
 رحمت کی ٹھٹھا تجلہ تکریم سے اٹھی

تبکیں کے نعروں میں بڑھا جاتا ہے اقبال
فردوس کے پھولوں سے جابجا ہے اقبال

حالت غلبی

اک نور کے بادل سے ندا آئی کہ خاموش
تھے سب ہمہ تن گوشِ تجلی سے ہم خاموش
یوں کوئی مخاطب تھا کہ لے ہوئی جنوں پوش
یہ ملا ہے فردوس نہ فردا یہاں دوش
یاں کام نہیں شام سے تجھ کو نہ سے
آزاد ہے تو رام کہ شمس و قمر
ہیں اہل جناب دیر سے دیدار کے مشتاق
نوری ہیں تری گرمی گفتار کے مشتاق
کچھ اہل زین ہیں ہی نہیں اسرار کے مشتاق
اس خطہ کے ساکن بھی ہیں اشعار کے مشتاق
ہے حکم ہمارا لب اعجاز نما کھول
کس حال میں ہیں عالمِ سفلی کے مکیں بول

اقبال کا جواب

احوال ہے یارب تری دُنیا کا المنساک
 زہرِ پلے خیالوں سے فضا ساری ہے ناپاک
 دامنِ وفا درتِ ترقی سے ہوا چساک
 باقی ہے محبت نہ صداقت تہِ انسلاک
 تبدیل ہوا نظریہِ زیریت جہاں کا
 اب نام نہیں لیتا کوئی حفظ و اماں کا
 گھمسان کا ہے معرکہِ سود و زیاں اب
 ابلیس کے قبضہ میں ہے اقلیم جہاں اب
 بیکار ہوئے تیغ و سناں تیر و کمان اب
 یا بجم ہیں یا ہر سمت ہے گیسوں کا دھواں اب
 طوفان اُٹھے گا، ہے قرآن سے ٹپکتا
 پھر تھر تھرجنم سے ہے شعلہ سا پلکتا
 آمادہٗ پیکار نظر آتی ہے دُنیا
 آپ اپنے سے سیراز نظر آتی ہے دُنیا

پھر امن کی بیمار نظر آتی ہے دُنیا
 فتنوں کی صلیب گار نظر آتی ہے دُنیا
 اس آگ سے بچ سکتے نہیں ارض و سما بھی
 مٹی بھی بھڑک اُٹھے گی، پانی بھی ہوا بھی
 ہر قطرہ لہو کا ہے مچل جانے کو تیار
 مے کی طرح ساغر سے اُچھل جانے کو تیار
 افراد سے افراد بدل جانے کو تیار
 اقوام کو اقوام نگل جانے کو تیار
 پھر ڈھونڈتے ہیں لوگ اُجھٹنے کا بہانہ
 لَا تَقْسِدُوا وُجُوہَیْہِیْنَ بِالْأَرْضِ کَا مُسْکِرِیْہِیْنَ زَمَانِہِ
 خطبہ یہ سُنا تے ہیں فقیہانِ فرنگی
 خُدا رہیں جینے کو نہ اصفار نہ رنگی
 پھلی کو سمندریں ہے دم لینے کی تنگی
 حاوی ہے ہر اک قطرے پہ آئینِ نہنگی
 دب سکتا ہے بخورِ زیریں اس کو دبا دو
 کمزور کو اب صفحہ ہستی سے مٹا دو

مشرق کی ہوا طوق و سلاسل کی ہے حامی
 یاں چھوٹتا پھلتا ہے بہت نخل غلامی
 ان وطنوں کی اقوام ہیں مدقوق و جذامی
 صحت میں نہ ہندی ہے نہ پیتی ہے نہ شامی
 خوں صرف ہو اس میرا تہیہ بر لیا میں
 مرجاتی ہے تائید بھی پڑ مرده ہو میں
 ہیں سخت بہت بندہ مزدور کے اوقات
 دن چین سے لگتا ہے نہ آرام کی ہے رات
 غم خانہ نادار طرب خانہ آفاست
 سرمائے سے مضبوط ہے صنعت کا طلسمات
 پھیلا ہوا ہے زیر فلک دامن کلوں کا
 آدم سے لیا جاتا ہے اب کام کلوں کا
 مذہب ہے فقط فائدہ رخسار معاصی
 ہے پردہ تقدیس ہیں انبار معاصی
 تقویٰ کی بغل میں ہے نہاں ماہر معاصی
 ہر سجدہ زیاد ہے تکرار معاصی

جو جُرمِ پنیٹے نہیں بدیلوں کی برہوں میں
 اُن جُرموں کی ہے نشو و نما خالقوں میں
 فطرت کا لوا ساز جسے کہتے ہیں اسلام
 کونین کا وہ ناز جسے کہتے ہیں اسلام
 رحمت کی وہ آواز جسے کہتے ہیں اسلام
 وہ دل کا ترے راز جسے کہتے ہیں اسلام
 وارث نہیں اس وقت اس اسلام کا کوئی
 وارفتہ نہیں اب تو ترے نام کا کوئی ؟
 دریا ہے تلاء طم ہے ٹہکتا ہے سینہ
 دہشت سے پھٹا جاتا ہے ہر ایک کا سینہ
 موجوں کے خم و پرچ ہیں یا موت کا زینہ
 ہر قطرے کے دل میں ہے بھری آتش کینہ
 اب کون ہیں اس کشتی لہزاں کے طرفدار ؟
 تلاح تناک ہو گئے طوفاں کے طرفدار
 قابو میں مرے دل سے نہ قابو میں مرے چنگ
 ہو ساز اگر تیرے پہل جاتا ہے آہنگ

نظروں میں ہوئی جاتی ہے جنت کی فضا تنگ
 یہ عالم سبز رنگ ہے یاد رکھا اترنگ
 یا چھین لے یا رب تو سکت میری زباں کی
 فردوس میں یا مجھ کو اجازت ہو فغاں کی

سر ہونے نہ پایا تھا ابھی نالہ مضطرب
 پٹکالب اقبال پہ اک تپ رہ کوثر
 تسکیں کی پھوہار برسے لگی اس پر
 تبدیل مقدس سے ہوئی رُوح منور
 پھر کان میں آنے لگے معصوم ترانے
 لوٹ آئے وہی جنتِ مادی کے زمانے
 باطن کی کھلی آنکھ، اٹھا وقت کا پردہ
 سب فرقی ہوا دُور ازل اور ابد کا
 کثرت کا جو دریا ہے وہ وحدت کا ہی دریا
 وہ ایک رہا، ایک ہے اب ایک رہے گا

ڈالی جو نظر صاف تھا آئینہ تقدیر
 تھی اس میں جھلکتی مگر اعمال کی تصویر
 روشن ہے مگر خُش نشینوں کی نظر میں
 کل کو نشی ڈھالیں گے وہ بنائے قمر میں
 وہ دیکھتے ہیں کھیت کو بکلی کے شر میں
 اور دور جہاں توڑتے ہیں بحجم حیریں
 ہے سامنے پھر عالم حادث کا نظارہ
 صنم ہے یہم امروزی سے فردا کا کنارہ
 پھر رافیت فطری سے ہم آغوش ہے دُنیا
 شہ راہ صداقت پہ عمل گوش ہے دُنیا
 اُلفت کی ہے لے اور ہم تن گوش سے دُنیا
 خاموش ہے ہرجوش ہے باہوش ہے دُنیا
 اک گوشہ میں بیٹھا ہوا سر دھننا ہے ابلیس
 تھار اپنی ہزمت کے پڑا چننا ہے ابلیس
 کوثر کے کنارے پہ ہے اقبال نواز ن
 طوبی کے سب رخ سے ببل کا نشیمین

مضرب خودی سے وہ پاکرتا ہے گلشن
 نغمہ کبھی نسرین ہے کبھی گل کبھی سوسن
 کہتے ہیں ملائک کہ دلاؤنر ہے اقبال
 حوروں کو شکایت ہے کم آئینر ہے اقبال

نذرِ اقبال

(از جناب اقبال شمیم بھیروسی صاحب)

ایشیا کے نور، اے اسلام کے بطلِ جلیل
 تیرا پروازِ تخیل ہم نوائے جبریل
 فارسی زندہ مٹی تیری شوخی گفتار سے
 زینتِ کاشانہٴ اردو تری فکرِ جمیل
 سوزِ رومی شعلہ افشاں تھا نواؤں میں تری
 اور ترے تخیل میں تھا علوہٴ روحِ خلیل
 کارواںِ سالارِ اُمت ہے تیرا نقشِ حیات
 مردِ مومن کے لئے تیری نوا بانگِ جیل
 نسلِ آدمِ مدتوں روئے گی تیری یاد میں
 اور دیلِ زندگی ہو گا تری فکرِ جمیل

رنگ بدے گی ہزاروں گردشِ دوراں تیرے
 غیر ممکن ہے کہ پیدا ہو سکے تیرا پیش
 تو متباعد رفتہ کی اک رہ گیا مجھ یادگار
 چھن گیا اسلامیوں سے یہ بھی انعامِ جلیل
 لے کے آیا بارگاہِ قدس میں تیری شمیم
 آنسوؤں کے چند قطرے یعنی اک نذرِ فلیل
 آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
 سینہ نورِ ستہ تیرے درگی دریانی کرے

اقبال

از جناب سراج الدین ظفر صاحب بی اے ایل ایل بی

دیارِ ہند میں آوارہ تھی جو بوٹے لطیف
اڑا کے لے گئی اُس کو ہوائے ذوق وصال
لبِ نیاز پہ لہرزاں تھی جو ٹوٹے سروش
پہنچ گئی وہ تڑپ کر سرِ حریمِ جمال
کہاں ہے آج وہ آئینہ دارِ حسنِ خودی
جلائی برقِ حقیقت سے جس نے شمعِ خیالی
کہاں ہے آج وہ نغمہ طرازِ سازِ الست؟
دلوں میں پھونک دی جس کی نوائے رُوحِ بال
دراز و پستی فطرت سے ہو گیا خاموش
وہ سازِ عشق کہ جس کی نوا تھی بارِ شال

خزاں کی تند ہواؤں کی تاب لانہ سہی !
 وہ شمع مہکنا مہ پرویں کی طرح جس کا جمال
 تجھے خبر بھی ہے اُنے دست بے پناہ اہل ؟
 تری جفا سے ہوئی کشت عاشقی پا مال
 تجھے خبر بھی ہے اے رستخیز باد فنا !
 کہ بچھ گئی تری جولانیوں سے شمع کمال
 ہوا خاموش مدینے کا ساز روح گداز
 نوائے طوطی پام حرم ہے بے پردہ بال
 کہاں وہ سوز نوا ہائے زندگی افروز
 کہاں وہ لطف تب و تاب محفل اقبال
 نظریں اب بھی ہیں نقشے وہی سمائے ہوئے
 مردیں شعر ہے ماتم میں سر جھکائے ہوئے

عظمتِ اقبال

(از جناب شیر محمد حمید صاحب ایم اے)

تجھ سے آباد آرزو کا جہاں زندگی بخش مدعا ہے تو
 تیرے نعروں میں سحر بیداری مطربِ قدس کی نوا ہے تو
 تجھ سے فطرتِ صحیفہٴ امید عشق کی بزم کا دیا ہے تو
 تو ہے دینِ خودی کا پیغمبر
 مذہبِ عشق کا خدا ہے تو

دیکھ کر تیرے فکر کی رفعت حیرتی ہے فضا ئے لامحدود
 تیری حق بین نگاہ کے آئے اک روئے حقیرِ چرخِ کبود
 کدہٴ عشق کا ہے تو معمار عقل کے سومات کا نمود
 تجھ پہ وہاں حیات کی راہیں
 تیرا نسخہٴ مرگ ہے مقصود

شکستِ شیشہ

(از جناب اچل سنجیب آبادی)

آج اقبال ہم سے چھوٹ گیا	شیشہ کا ثبات ٹوٹ گیا
کس کی فکر رہا ہے کاشفِ راز	کس کے پہلو میں ہر دھڑکھار
قلبِ مسلم کا حوصلہ نہ رہا	کوئی جاننا ز فلسفہ نہ رہا
وہ دمِ نزع پر جبرِ خواہش نہ رہا	ہائے ملت کا پہلو اس نہ رہا
شاعریِ دردِ رہی ہے کج کسے؟	زندگی کھو رہی ہے کج کسے؟
روحِ غالب کی تار تار پر کیوں؟	ایشیا آج اٹک رہی ہے کیوں؟
کہہ رہی ہے بصدِ فغانِ دالم	گوشتے کے مزار پر شبنم
کوئی ہمسرہ ہم خیال ترا	آج عالم ہے پائمال ترا
لب پر شرق کے وہنسی نہ رہی	غرب کی شانِ دل لگی نہ رہی
شرق پر غرب تک ہر ایک غل	چل بسا اک حکیم بنضِ مل

روئے عالم پر چھا رہا ہے طال

ہائے دنیا سے چل بسا اقبال

مرقدِ اقبال

(از جناب محمد اشرف خاں صاحبِ عطا)

وہ کہ جس کے دم سے تھیں زخمِ خودی کی روئیں
 واقفِ رازِ خودی تھا، عاشقِ نامِ رسول
 جس نے ملت کے دلوں میں بھر دیا سویرِ بلبل
 جس نے ملت کو سکھائے زندہ رہنے کے اصول
 جس نے ضربِ لاسے توڑا تھا طلسمِ رنگِ بو
 جس کو عالمگیر انسانی اخوتِ محققِ قبول
 جس نے قلبِ ہند میں چھونکا تھا صُورِ انقلاب
 جس کا دل تھا نصرت کے مظالم پر ملول

وہ قلندر جس نے مشرق سے کہا "بیدار شو"
 جس نے بہت سے کہا "قلبِ مغرب ہے فضول"
 وہ قلندر جس نے افشا کر دیا سہرِ حیات
 آج اُس کی قبر پر ہے رحمتِ حق کا نزول

میں نے کل شب خواب میں دیکھا یہ نظارہ عجیب
 سُرخ و رومی و خاقانی کھڑے تھے سب ملول
 کہہ رہے تھے مرقدِ اقبال پر مولائےِ مردم
 ترکِ خوابِ خموش کن اے واقفِ رمزِ رسول

ما تم اقبال

(از جناب لالہ عکین نانٹھ آزاد فی آ)

پھر نالہ لائے غم سے ہے بہرِ نیرِ دل کا ساز
 پھر ہو گیا ہے دیدہ چیمبریں گہر طراز
 وہ حق شناس فلسفی، وہ مردِ مکتہ داس
 وہ با کمال شاعر و درویش و پاکباز
 نفی تھے جس سخنورِ عالی دماغ کے
 مشرق میں دل پذیر تو مغرب میں جاں نواز
 تیرا جل نے اس کو نشانہ بنا لیا
 تھا ہم کو آہ جس کے کمال سخن پہ ناز
 محفل سے آج ساتھی محفل ہی اُٹھ گیا
 آزاد اب کہاں وہ شراب جگر گداز

ہر بزمِ وقتِ نالہِ غم ہے ہزار حیف
خوننا بہ بار ویدہِ غم ہے ہزار حیف

اقبال اے جہانِ معانی کے تاجدار
اے رومی و ثنائی و غالب کی یادگار
معنی کو تجھ پہ فخر، تختِ سل کو تجھ پہ ناز
نازاں تھا تجھ پہ مشرق و مغرب کا ہر زیار
آتش کا سوز، گل کی ہلک، برق کی تڑپ
سو جاں سے ہو گئے ترے تخیل پر نثار
تو نے سخن کو زندہ جاوید کر دیا
ترے نفس نے دی چمنِ شعر کو بہار
دو گز زمیں، آہ! بچھے راسِ آگہی
شہرت پہ تیری تنگ تھا دامانِ روزگار
گو زیرِ خاک کا لبہِ خاک آگیا
تو روحِ بن کے عالمِ جاں میں سما گیا

اے مزدِ سخن پر برستے ہوئے سحاب
 اے مطلعِ وطن کے دگر نشندہ آفتاب
 جاں بخش تیری نظم کا ہر استعارہ ہے
 ہر لفظ کے مثال ہے، ہر شعر لاجواب
 اب آکے کون دے گا کُل شعر کو فہم؟
 بختے گا کون گوہرِ معنی کو آبِ قباب؟
 کہتے ہیں ترجمانِ حقیقت بجا تجھے
 ہر رازِ حق تھا دیندہِ باطن پہ بے نقاب
 رتبہ تیری خودی کا نہایت بلند تھا
 تجھ سے ترے خزانے کیا بارِ خطاب
 اس دور میں تو آکر رازِ قدیم تھا
 جو ہو حریفِ جلوۂ حق وہ کلیم تھا

جس کی صداؤں پر ہمہ تن گوش تھے سروش
 وہ جامِ روح پرورِ عرفاں کا بادہِ نوش

جس کی نوا سے نادِ فضاں تڑپ اٹھا
 اُف، ہو گیا وہ شاعر آتش نوا خموش
 رنگیں پتھا جس کے حسنِ تخیل سے بزرگ گل
 جس کی گرج سے موجِ طوفاں میں پتھا خروش
 سینوں میں جس نے قوتِ گفتار سے بھرا
 مہربانے بخود ہی کا، سرور و عمل کا جوش
 جس کے ہر اک نفس میں پتھا مے خانہ حیات
 تڑپت ہے اس کی سایہ سجد میں منبر پوش
 ہے خاک میں وہ عرشِ معانی ہزار حیف
 اے انقلابِ عالمِ فانی ہزار حیف

نوح

(از جناب خلیق قریشی صاحب المجلد)

پھر حشر اٹھانے پہ تھلا چہنچ کس آج
 اور آگئی پھر فتنہ ہمت پہ شکن آج
 پھر سینہ اسلام ہوا زخموں سے پھلنی
 پھر چرخ ستکار ہوا تیر فکس آج
 صد حیف کہ اقبال جدا ہو گئے ہم سے
 افسوس ! کہ بے بار ہو نخل وطن آج
 اس رنج میں بے نور ہوئے دیدہ نرگس
 اور شعلہ جہاں سوز بنی بجوئے سمن آج
 رخصت ہوا محفل سے وہ اسلام کا فرزند
 جس کے لئے ماتم ہیں، میں ہند اور ختن آج

جس بیل ہندی کا ترانہ تھا جہازی
 اُس بیل خوش لعن سے خالی ہے چمن آج
 جس مر قند نے کیا خودی فاش
 انسوس کہ خاموش ہے وہ زیر کفن آج
 جس پھول سے وابستہ تھیں ملت کی امیدیں
 وہ پھول ہوا صفرِ تار آج چمن آج
 تاریک دسیہ پوش ہوا مطلعِ امید
 ڈوبا آفتِ ہند سے اسلام کا خورشید

استقبالِ موت

(از جناب تہتم قریشی صاحبِ گجرات)

کس قدر وحشت اثر ہوتی ہے قبلِ وفاتِ موت
 توڑتے ہیں بے پناہ جو دستِ افعالِ موت
 زندگی بیچارگی کا دوسرا ک نام ہے
 ہے قیامت در حقیقت جشنِ استقبالِ موت
 وہ حکیم بے بدل مشرق کا تھا جس سے فرغ
 مشکف جس پر تھے اسرارِ حیاتِ اعمالِ موت
 موت سے بخوف ہو جانے کا جو دیتا تھا درس
 کھیل چوں کے، نظر میں جسکی تھے اشکالِ موت
 فلسفہ جس کا سمجھتا تھا بہسانِ عشق میں
 چہرہ ہستی کی زیبائش ہے خط و خالِ موت

”مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں“
 جو کیا کرتا تھا ان لفظوں میں استقبالِ موت
 دست بردِ موت اس کو بے گئی ہے چھین کر
 ٹھٹ گیا، اقبالِ ہستی بڑھ گیا اقبالِ موت
 علم و حکمت کی بدولت زندہ جاوید ہے
 پیکرِ اقبال ہے گرچہ متاعِ دماںِ موت
 آخری دم کتنے اطمینان و استقلال سے
 مردِ مومن کی طرح اُس نے کیا ابطالِ موت
 دب کے رہ جاؤں میں خوفِ مرگ سے ممکن نہیں
 تجھ پر غالب آنہیں سکتے کبھی ابوالِ موت
 ”میں مسلمان ہوں مسلمانِ موت سے ڈرتا نہیں“
 خندہ پیشانی سے کرتا ہوں میں استقبالِ موت

اقبال کا پیغام

(از جناب الطاف حسین مشہدی صاحب)

برساتی تھی کل رات مری آنکھ ستارے
ہونٹوں پہ چھلتے تھے غضبناک شرارے
جاںِ حدیث افکار سے گھبرائی ہوئی تھی
اک آگ کی آندھی تھی کہ لہرائی ہوئی تھی
نشر سے چھبوتا تھا کوئی قلبِ وجہ گیریں
اقبال کی بے وقت جدائی تھی نظریں
ایسے میں سیرِ فام گھٹا جھوم کے آئی
اقبال کے جنت میں قدمِ چوم کے آئی
چلنے لگیں خوابوں کے جزیرے کی ہوائیں
ہونٹوں میں لئے قلقلِ مینا کی صدائیں
آنکھوں نے خنک جھنکوں کو شراب کے صدایا
کچھ نیند کی ہے باقی ہے یا ساری لندھا دی

جھونکوں نے تھپک کر مجھے زانو پہ سُٹلایا
 اور بہکی ہوئی بے میں کوئی راگ سُنا یا
 اس راگ کی بدست جوانی میں سما کر
 آنکھوں کے جھپکے ہی میں جا پہنچا فلک پر
 کیا دیکھتا ہوں نور کے دریا کے کنارے
 بیٹھے ہیں جواں چین سے تکیوں کے سہارے
 بدست نظر آتا ہے ہر کا سا ترنم
 ہر لب پہ جھلکتا ہے نیشاںِ سائستہ
 ہر زبان میں نغمات کی تسے جھوم رہی ہے
 ہر آنکھ میں بدست ادا گھوم رہی ہے
 چھوٹوں کے جو بستر ہیں تو گلابوں کی روایتیں
 اک نیند سی ہر ساتی ہیں مضمونِ ہوا میں
 پونہڑی میں۔ دیے وصل کی راتوں کی کہانی
 پیمانہ بکف پھرتی ہے حوروں کی جوانی
 اک حور سے ڈر کر گئے کہا میں نے "جواں سال"
 اس وقت کہاں ہوں گے تب حضرتِ اقبالؒ

اس زہرہ جبین نے مجھے رستے پہ لگایا
 اور دُور سے ابوانِ غلامی بھی دکھایا
 میں پیہر انوار کے دیدار کو پہنچا
 اس صاحبِ امثار کے دیدار کو پہنچا
 کیا دیکھتا ہوں حضرتِ اقبال کھڑے ہیں
 اور پاؤں میں بیچارے مسلمان پڑے ہیں
 آدابِ بجالایا میں گردن کو جھکا کر
 اور عرض یہ کی درد کو سینے میں دبا کر
 اے ہند کی اُجڑی ہوئی بستی کے کہنیا
 اے سوئی ہوئی قوم کی کشتی کے کھڈیا
 "میں آج کی آنکھوں میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں
 اشکوں کی جگہ سوزِ ضیا دیکھ رہا ہوں"

شاعرِ مشرق کا جواب

اے شاعرِ بہدار! تجھے کیسے بتاؤں
 اس عالمِ پر درد کا کیسا حالِ سناؤں

تجھ کو نظر آتے ہیں جو روتے ہوئے چہرے
 ان چہروں پر تھے خدمتِ اسلام کے سہرے
 جن ہونٹوں کو تو وقتِ فغاں دیکھ رہا ہے
 ان ہونٹوں نے اسلام کا پرچار کیا ہے
 ان آنکھوں کو ہر آن جو بیدار رہی ہیں
 تسبیح کے دانوں پر نظرِ بار رہی ہیں
 دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی روانے
 آنکھوں میں لے لے کے لگایا ہے ٹھکانے
 اس جرم میں مبتلی ہیں انہیں سخت منہ میں
 خونخوار شراروں کی نفس سوز غدائیں
 احساس کے ہوتے ہوئے مظلوم ہے ہیں
 توحید کی سہمی کے بھی محکوم رہے ہیں
 اے نورِ نظر جب تو مرے ہند میں جائے
 اور میری ملاقات کے حالات سنائے
 اس سوئی ہوئی قوم کو تھوکر سے جگاتا
 اور درد بھر ہی نے میں یہ پیغام سنانا

جب تک نہ خمس و خمار غلامی کو جلاؤ
 جب تک نہ درِ مشرق و مغرب کو جھکاؤ
 جب تک نہ نفس توڑ کے صیاد پہ لپکو
 ہر چھوٹے کے لئے ہر ستمِ احباب پہ لپکو
 اس وقت تک صاحبِ ایمان نہیں تم
 ایمان تو اک سمت، مسلمان نہیں تم
 یہ کہہ کے مجھے آپ سونے غلہ سد مارے
 ہیں تھام کے دل بیٹھ گیا درد کے مارے

سراقبال

(از جناب امین شہانی صاحب)

ڈاکٹر اقبال وہ روح سخن اس جہاں سے ناگہاں جاتا رہا
 بن گئی ہر دم سخن ماتم کدہ شاعر مجزبیاں جاتا رہا
 ہو گئی ہے آج اردو سو گواہ شاید اس کا پاسباں جاتا رہا
 کس قدر حیران ہیں اہل سخن آج اُن کا ہم زباں جاتا رہا
 گلستان ہند ہے مسمان آج بلبل ہند سستاں جاتا رہا
 معرفت کہتی ہے آج اسلام نکتہ داں و راز داں جاتا رہا
 آج ہیں سب مضطرب جس کیلئے وہ خدا جانے کہاں جاتا رہا

دترہ ذرہ مجھ ماتم ہے کہ حریف

شاعرِ حباب و بیاباں جاتا رہا

نوحہ اقبال

(از جناب اختر بریلوی صاحب)

آہ! دنیا سے اُٹھ گیا اقبال
 شاعرِ پاکِ سال و با اقبال
 خوش بیاں خوش نصیب خوش قسمت
 نیک خو، نیک طبع نیک خصال
 نکتہ رس، نکتہ سیخ، نکتہ شناس
 آدمیِ صورت و فرشتہ مثال
 دُور بین، زیرک و فییم و ذکی
 آئینہ دارِ حال و استقبال
 حق رس و حق شناس و حق آگاہ
 باہنر، باخبر، بلند اقبال
 فہم و ادراک و دولت و دانش
 اس ہمہ داں کے تجھ یہ راسِ انہالی

تھا جہان دیدہ و مال اندیش
 دولت علم و فن سے مالا مال
 مغربی فلسفہ سے تھا آگاہ
 مشرقی نمکوں سے بھی واقف حال
 نازشیں دودبان نیک دلاں
 خیر اوتاد و صوفی و ابدال
 آشنائے رموز و ریاضاں
 واقفِ جاہِ حرام و حلال
 اُس کی شہرت سے گونجتا تھا جہاں
 مشرق و مغرب و جنوب و شمال
 تھا وجہ و شکیل و کوہ و تار
 صاحبِ رعب و داب و جاہ و جلال
 جسمِ غامی میں اس کے تھی شاید
 طاقتِ بوتراب و رُوحِ بال
 تھی طبیعت میں اس کے ہمواری
 صفرتہ خاص اس کی استقلال

خضر ملت تھا ناخدا ئے وطن
 قوم کے حق میں تھا وہ گویا ڈھال
 خاص عنصر تھے اُس کے جو دوسرا
 تھا نہ کوتاہ اس کا دست نوال
 اس کے افعال نیک و صالح تھے
 قابلِ رشک اس کے تھے اعمال
 نقش ہیں دل پہ اہل دانش کے
 اس کے پسند و نصائح و اقوال
 ایشیا اس پر رشک کرتی ہے
 اس کی معدوم ہے جہاں میں مثال
 شاعری اس پہ ختم ہے والد
 کچھ نہیں اس میں جانے قیل و قال
 شاعرِ اعظم ایشیا کا مخفا
 ہنہی ہیں گڑھی ہے اُس کی نال
 اس کے دم سے فروز رخ اُردو مخفا
 اُس کے اُٹھنے سے آگیا ہے نوال

اس سے دعوئے کرے تقابل کا
 نہ ہوئی آج تک کسی کو مجال
 خوب ہوتا تھا اس کا استنباط
 اور اس سے بھی بڑھ کے استدلال
 عارضِ تابناک اُردو پر
 تھا وہ پیش نظرِ جمہیتِ خال
 شاعری میں نہ پاؤ گئے اُس کی
 ربیعِ شامِ فراق و عیش وصال
 تھا خیال اُس کا ارتعاش و اعلیٰ
 بال کی وہ نکالتا تھا کھال
 اُس میں شاعری کا کیا کہنا
 بیچ تھے اُس کے آگے رستم و زال
 سُن کے اُس کا کلام اُٹھتا ہے
 جس دھوئی کو تختِ سب کو حال
 ہجر سے اُس کے غمگساروں کی
 ہو گئیں روزِ روزِ آنکھیں لال

رہ گیا شہبازِ سرورِ نشین
 اس کے دم توڑنے سے بے پروا
 خاک کو بھی نہ اُس کی پہنچیں گے
 ایڑیاں لاکھ رگڑیں گے نقال
 اُٹھ گیا اس کا سایہ دُنیا سے
 پر غرقا ہے آج اُس کی مثال
 سب ہیں غمگین اُس کے مرنے سے
 صاحبِ جہاں اور اہلِ کمال
 سوگ ہیں اس کے ہیں کہیں نہیں
 اس کے ماتم ہیں ہیں انات و جمال
 میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا
 روح نے اُس کی جھٹائے جب پروا
 حویریں سرفروں سے تاکتی تھیں اُسے
 اور کہتی تھیں سب تعالٰ تعالٰ
 باتِ کل کی یہ ہے کہ تھا ہر سو
 رونقِ افروزِ دہر اُس کا جمال

آج عالم سے اُس کے ماتم ہیں
 کل کی باتیں ہوئی ہیں خوابِ خیال
 کس طرح وہ جئے گا اس کے بعد
 زندگی جس کی ہو گئی ہو وہاں
 نازشیں بزمِ ایشیا نہ رہا
 لُٹ گیا شاعری کا بیت المال

ترجمانِ ملتِ بیضِ خاموش

(از جناب خواجہ غلام نظام الدین صاحب نقشبندی تونسہ ٹریف)

ارتھائے آدمِ خاکی کی ہے تمہید موت
زندگیِ فانی ہے اور ہے زندہ جاوید موت
ظلمتِ شب میں مسافر کے لئے خورشیدِ موت
کائناتِ دہر کے آرام کی تریبِ موت
موت سبزِ زندگی کا نعمۂ خاموش ہے
انجائے روح بن کے روح میں پولش ہے
دیدہ ہستی ہے ظاہر میں حقیقت میں نہیں
عادتِ ثابتِ خمِ چرخِ موتی مرا آئیں نہیں
گفتنی احوالِ جانِ مضطربِ غمگین نہیں
اب کسی پہلوِ دلِ مجروح کو شکیں نہیں

ابرِ رحمت دامن از گنزارِ من برچید و رفت
 اندکے بر غنچہ ہائے آرزو بارید و رفت
 غرقِ خوں کر دے مجھے اے دیدہ و نثار بار
 کیفِ غم نے کھو دیا ہے زندگی کا اعتبار
 ہر نفس سینے میں کیا ہے؟ ایک تیغِ ابدار
 دامنِ امیدِ بخت ہو گیا ہے تار تار
 ہو گیا ہے ترجمانِ بخت بیضا نموش
 جس کے ہنگاموں سے تھی چشمِ جہاں حیرت فرس
 کون چھوڑے گا محبتِ آفریںِ نسواریں کا ساز؟
 کون سمجھائے گا ہم کو فطرتِ ہستی کا راز
 گر فی گفتار سے اب کس کے ہوں گے دلگداز؟
 کس کے اندازِ تکلم پر کرے گا دہرِ ناز؟
 رحلتِ اقبال سے سارا جہاں ماتم میں ہو
 یہ زمینِ ماتم میں ہو یہ آسماں ماتم میں ہو

مزارِ اقبال پر

(از جناب محمد صاوق صاحب ضیائی اے ایل ایل بی)
آج سے ایک صدی بعد ایک زائر کا تصور

آہ! اس مدفن کی جانب دل کھچا جاتا ہے کیوں
خود بخود آنکھوں سے پردا اٹھا جاتا ہے کیوں
کون یہ سوتا ہے فرشتے خاک پر نہیں
اک جھوٹی ہے مہار اور سب جہنم نشین
کون دعوت دے رہا ہے دل کو سوز و ساز کی
تو کدھر سے آ رہی ہے بستانِ دانا کی

ہاں یہ سنتا ہوں یہاں تھا اک تصورِ باکمال
اک ادیبِ نکتہ پرور شاعرِ نازک خیال

جس کے لغو پر تھارِ قصاں انقلابِ ندگی
 جس کا اک اک لفظِ مخاشع کتابِ زندگی
 ہاں مجھے بکتے ہیں سارا حال آتا ہے نظر
 ہر طرف چھایا ہوا اقبال آتا ہے نظر
 یہ اُسی چارہ گر ہنس و نساں کی قبر ہے
 اک ادیب و شاعرِ شیوہ بیاں کی قبر ہے
 میری نظریں آشنا ہیں اُس کے ارشادات سے
 چن چکا ہوں بھول اُس کے خرمِ جذبات سے
 اس فضا نے شعریت میں اک سکون پانا ہے دل
 اب میں سمجھا کس لئے سیر کھچا جاتا ہے دل
 تو نے اے اقبال وہ پیغامِ دنیا کو دیا
 از سر نو جس نے استحکامِ دنیا کو دیا
 اس قدر اونچا اڑا آسمان ترا شبِ بازنگر
 ذہنِ انجم میں بھی پیدا ہو گئی تمکینِ فکر
 اس طرح بانگِ درا سے رہنمائی تو نے کی
 خاک کے ہر ذرے کی عقدہ کشائی تو نے کی

اٹھ پھرے اقبال اُدیا پھر تغافل کوش ہے
 تو اگر آوازِ فطرت ہے تو کیوں خموش ہے؟
 منجمل شمعِ وطن کو پھر مذاقِ سروسے
 نغمہ دوشیں کو اپنے جملہ امروزیے
 پھر نیا پہلو بدل دے گردشِ ایام کا
 کیف تازہ کر خمارِ ہستیِ ناکام کا
 شامِ محشر تک بھی تیری یاد جاسکتی نہیں
 تیرے اسمانوں کو یہ دُنیا جھلا سکتی نہیں

غمِ اقبال

(از جناب پناہ ششدر صاحب)

اب کہاں بزمِ نشیں سے اقبال ساکنِ خلدِ بریں ہے اقبال
 فلکِ فلسفہ و حکمت کا لاجرم ماہِ مہیں ہے اقبال
 فرض کیجے جو جہاں کو خاتم اس کا تابندہ نکس ہے اقبال
 ہے عناصر کا بگڑ جانا موت غور کرو دیکھ یہیں ہے اقبال
 مردِ مومن کا یہی مرنا ہے دیکھئے خندہ چیں ہے اقبال
 فلشِ زینت سے تھک کر آخر
 سو گیا بزرِ بریں سے اقبال

بیادشاه مشرق

(از جناب عاشق محمد حاذق صاحب)

سفر ز عالم فانی نموده، امروز
 بجائے آب ز چشمش سخی یکدیگر خنوب
 سبحان ما غم تازه فرو رده، امروز
 بزخم سینه دلالت چه سوده، امروز
 مرا تو منظر محشر نموده، امروز
 که ریب محفل ایشان نموده، امروز
 پیام زندگی بر هر نفس سیمی دادی
 چه شد که تاب دل مار بودده، امروز
 چهل تو دل مشرق را شمع حشر چه نمود
 مگر تکبیر دلش آرزوده، امروز

اقبال زما رفت

(از جناب غلام قادر صاحب قرخ صدر بزم سرودش امرتسر)

بنتیاب دل زار ایا که اقبال زما رفت

اقبال زما رفت

از دوا رقا جانب دنیا ئے بقا رفت

اقبال زما رفت

آں بود حکیمے ، پئے ہر درد دوا جئے

بے حرص و ہول ئے

دانا ئے سیمائے نفس دوست شفا رفت

اقبال زما رفت

بشکست دل غنچہ دشت چاکب جگر کل

تزدیدہ بلبلس

ہنرنگ صبا آید و ہنرنگ صبا رفت
 اقبال زما رفت
 ناواقف رہ قافلہ ملت بینیا
 در پیش خطہا
 خاموش بشد بانگ درا را ہنما رفت
 اقبال زما رفت
 آن نغمہ سرانیت ، ہنم خوفنا نیم
 بے روح روانیم
 در محفل مجرب ازل دلیر مار رفت
 اقبال زما رفت
 خورشید صفت روشن و چوں ناہ نیمبر
 خشنود ہمیر
 ز بس عالم ظلمات بصد نور و نصیا رفت
 اقبال زما رفت
 آن غنبد عصر و حق آن گاہ مجہد
 بے خوف و وحید

پیغام خودی داد بدرگاه خدا رقت

اقبال زما رفت

پیغام اجل یافت و شد راهی جنت

باشوق و مستریت

از امر خدا آمد و شاکر به رضا رقت

اقبال زما رفت

وفاتِ اقبال

(انجناب غلام مصطفیٰ صاحب فی اللہ)

سوئے جنت ڈاکٹرِ اقبال رفت
 در جوارِ رحمت متعال رفت
 رفت از ما شاعرِ معجزِ بیاں
 نازشیں اسلامیانِ عال رفت
 سوزِ دسارِ زندگی آموختہ
 قوم را و خود باستعمال رفت
 ماند رنج و غم بحالمِ حسرتا
 باغِ ثروت از خزاں پامال رفت
 گفت ہلقب بہر تاریخ وصال
 صاحبِ آفاق سہرِ اقبال رفت

آہِ علامہ اقبال

(از جنابہ زریب عثمانیہ بیگم صاحبہ لدھیانوی)

کاشانہ ہستی سے اقبال ہوا راہی
 فطرت نے بلا بھیجا فطرت کا نمائندہ
 ممکن نہیں گردوں سے اب اسکی تلافی ہو
 وقت بری کھو بیٹھی وہ گوہر تابندہ
 ہستی کی نشیبوں سے صدیوں نہیں مل سکتے
 وہ عشقِ فلک پیمایا وہ عقلِ فرزندہ
 تاروں سے بہت آگے جاتی تھی نظر جس کی
 رخصت ہوا گردوں سے وہ کوکبِ خورشندہ

وہ بندہ حق آگہ بتلا گیا دنیا کو !
 بڑھتی تھیں ملت جو باطل سے ترسندہ
 پہنچے اُسے دیتا کیوں وہ محفل اسکاں میں
 تھا اس کا تختِ سل جو گوئیں کا نازندہ
 اُس بندہ مومن کو فانی نہ سمجھ اے زبیب
 ایسا ہی تو دنیا میں اک چیز ہے پائندہ

آہِ اِشاعرِ مشرق ایک خاتون کے آنسو

(جنابِ نمیدہ خاتون صاحبِ فرحت مدبرہ خاتون مشرق)

آہ! اے اقبال! اے ملکِ سخن کے تاجدار!
ترے غم میں آج سارا ہند ہے ماتم گسار
مضطرب تیری جدائی سے ہیں روم و ایشیا
شاعرِ مشرق ہمارے درمیاں سے اٹھ گیا
تیری مستی ملک و ملت کے لئے سختی آفتاب
تیری شمعِ زندگی سے ہند و ایران فیض یاب
دے گیا درسِ حیات نو تر از لیسِ کلام
زندگیِ افروزِ ملت کے لئے ترا پیام
تو نے ہی ہندی غلاموں کو دیا درسِ خودی
قلبِ فرحت کو کیا کیفِ آشنائے یخودی
تیری ہستی ہو گئی دنیا کی نظروں سے نہاں
ہو گئی حاصلِ تجھے لیکن حیاتِ باوداں

آہ اقبال

(از جناب سردار بیگم صاحبہ اختر حیدر آبادی)

آہ ! اے اقبال اے ہندوستان کے آفتاب
 اے مسیح عہد حاضر ! اے حبیبِ مہمِ انقلاب
 اے کہ تیری شاعری عقدہ کشائی دے گی
 اے کہ تیرا ہر کلمہ دعوتِ صدا و اضطراب
 دُورے کو بنایا تو نے رازِ کربِ تو
 خاک کو تو نے بنایا محرمِ صدا و آفتاب
 ہند کے غفلت کدہ میں رُوحِ مسلم جاگ اٹھی
 تو نے چھیڑا اس طرح سے عہدِ رنستہ کا رباب
 رونقِ تہذیبِ حاضر تیرے آگے سرتنگوں
 عظمتِ دیرینہِ مسلم کا تنہا تو جواب

شاعرانِ وقت کے دل ہی سے اس کو پوچھئے
 تو ہوا ہے شعر کی دنیا میں کتنا کامیاب
 تیری رگ رگ میں تھی سوزِ دردِ مسلم کی تڑپ
 تیری ساری زندگی تھی اضطراب و اضطراب
 تیری رخصت سے ہوا مسلم کا نقصانِ عظیم
 اب بتائے کون اہل خواب کو تعبیرِ خواب
 کیا بتائیں اک نہ ہونے سے تھے کیا حال ہے
 جیسے لٹ جائے کسی کی دولتِ حسن و شباب
 پھول ہوں کیسے شگفتہ جب چلی جائے بہار
 ذروں میں کیا سوز ہو جب چھپ گیا ہوا آفتاب
 اسے بہاؤ ماننا، تزیینِ گلستاں تجھ سے تھی
 شمعِ مسلم بزمِ ہستی میں فروزاں تجھ سے تھی

ما تم اقبال

(از جنابہ صالحہ بیگم صاحبہ مخفی)

اسلام، اے زندہ جاوید اقبال السلام
 صدر مبارک باد تجھ کو گلشن دارالسلام
 شاعر رنگیں بیاں، ملک سخن کے ناصدار
 ترے غم میں سے دلوں کی مملکت اُجڑا دیار
 اُڑ گیا بارغ جہاں سے طوطی شیریں بہن
 سو گوار اس کے الم میں کیوں نہ ہوں اہل وطن
 حیف ہے اس یزوم ہستی سے بچھا ایسا چراغ
 مینہ ہر مرد و زن ہے جس کے غم میں داغ داغ

آہ! محفل ہے سلامت، اگر مٹی محفل نہیں
 زندہ ہیں مسلم مگر سینوں میں اُن کے دل نہیں
 آہ! اے اقبال تو سمجھا وہ درخت سایہ دار
 قوم کو جس نے بنایا قومیت کا مایہ دار
 چیٹ اب خاموش ہیں تیرے لبِ معجز بیاں
 کون اب دہرائے گا مسلم کی ماضی امتاں
 کون مردہ جسم میں پھونکے گا اب روحِ کمال
 کون اب مشکل کرے گا مسلم خستہ کی حل
 موت سے وابستہ ہے سب کا نظامِ زندگی
 زیستِ صبحِ زندگی ہے مرگِ شامِ زندگی
 رات کو آرام مل جانا ہے تھک جانے کے بعد
 شغل اچھا ہو تو اجر اس کا ہے مرنے کے بعد
 بونے خوش بھیلی تو ہے گلزار میں وہ گل نہیں
 زمرموں کی گونج پیدا ہے مگر بلبل نہیں
 زندگی اقبال تیری ہو گئی وقفِ حُسنِ ازل
 بل گئی تجھ کو مگر اک زندگی جاوداں

کر رہا ہے دُراٹھک اپنا ترے اُوپر نثار
 اور دُعا کو حق سے ہے یہ مخفی مسینہ فگار
 حشر تک تربت پہ تیری بارش الوار ہو
 ہم نشیں اندر لحد کے رگبت غفار ہو

سید محمد شاہ اکیم۔ اے پیشہ سرتے دین محمدی پڑیں بوزیبا ہتمام ملک محمد عارف خاں پر نثر چھو کر
 اقبال اکید می ۵۴۔ الف سیر کلر روڈ بیرون موچی گیٹ لاہور سے شائع کی۔

۱۳۴۱

۱۳۱۴

۱۳۸۵

DUE DATE
